ہماری دعوت: اتباع قرآن وسنت

نبی کریم ﷺ پر درود وسلام سے متعلق مؤلف رحمہ اللہ کی مشہور کتاب
(جلاء الأفہام فی فضل الصلاۃ والسلام) کا بے حد مفید اختصار وترجمہ

فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ

رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام

تالیف
امام شمس الدین ابن القیم رحمہ اللہ

اہتمام ونظر ثانی
ڈاکٹر محمد لقمان السلفی

ترجمہ
فضل الرحمن ندوی
باحث مرکز علامہ ابن باز للدراسات الاسلامیہ

دار الداعی للنشر والتوزیع
ص ب ۳۴۲۴۸ ریاض ۱۱۴۶۸ فون ۴۵۷۶۰۸۷

مرکز علامہ عبد العزیز بن باز للدراسات الاسلامیہ
جامعۃ ابن تیمیہ مدینۃ السلام ۸۴۵۳۱۲ بہار ہند

فَضلُ الصَّلاۃ عَلَی النَّبي ﷺ

رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام

تالیف

امام شمس الدین ابن القیم (رحمہ اللہ)

اہتمام ونظرثانی
ڈاکٹر محمد لقمان السلفی

ترجمہ: محمد فضل الرحمن ندوی
باحث مرکز علامہ ابن باز للدراسات الاسلامیہ

ناشر

دار الداعی للنشر والتوزیع

ص ب ۴۲۲۴۸ ریاض ۱۱۴۶۸ فون: ۴۵۶۰۸۷

مرکز علامہ ابن باز للدراسات الاسلامیہ ہند

بار اوّل

صفر ۱۴۲۱ھ

دار الداعی

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

پوسٹ بکس نمبر: ۴۲۴۸۳ ریاض: ۱۱۴۶۸. مملکت سعودی عرب

فون: ۴۵۶۰۸۷ فیکس: ۴۵۹۱۵۴۲

مرکز علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

جامعہ ابن تیمیہ . مدینۃ السلام - ۸۴۵۳۱۲. چندن بارہ. بہار. ہند

ٹیلیفون / فیکس ۸۲۲۴۹-۰۰۹۱۶۲۵۰

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

ابن قيم الجوزية ، محمد بن أبو بكر

فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ـ الرياض.

١٥٢ص ، ١٧×٢٤سم-(تفهيم السنة)

ردمك : ٤-٠-٩٢٨٠-٩٩٦٠

(النص باللغة الاوردية)

١-الصلاة على النبي (صلى الله عليه وسلم) ٢- الأدعية والأوراد

أ- العنوان

ديوي ٢١٢،٩٣ ٢١/٠٦١٧

رقم الإيداع :٢١/٠٦١٧

ردمك : ٤-٠-٩٢٨٠-٩٩٦٠

بسم الله الرحمن الرحيم

سیرت نبی اُمّی ﷺ کی ایک جھلک

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ان پڑھوں کو راہ دکھانے کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اپنے رب کی آیتوں کی تلاوت کر کے انہیں سناتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں، جبکہ ماضی میں اُن ان پڑھوں کا حال یہ تھا کہ وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے.

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے برگزیدہ بندہ، اس کے چیدہ نبی، اور اس کے صادق و مصدوق رسول تھے، جنہوں نے کبھی اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کی، بلکہ آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا، آپ رہروانِ منزل کے لئے نشانِ راہ و رہنما، اور پوری انسانیت کے لئے دلیل و حجت تھے. آپ کی رسالت نے پوری دنیا کو منور کر دیا، تاریکیاں ختم ہو گئیں، اور منتشر دل یکجا ہو گئے، اور آپ کی دعوت اطراف عالم میں وہاں تک پہنچی جہاں تک آفتاب پہنچا، اور آپ کا دینِ برحق دنیا کے ان حصوں تک پہنچا جہاں تک لیل و نہار کی گردش پہنچی.

امابعد:

"جلاء الأفهام في الصلاة والسلام على خير الأنام" امام ابن القیم رحمہ اللہ کی وہ عظیم کتاب ہے جو قرآن کریم میں سالہا سال تک غور و فکر، اللہ کے کلام ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ میں طویل تدبر و تأمل، اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام سے متعلق وارد احادیث نبویہ کے سمندر میں غوطہ زنی اور شناوری کا نتیجہ ہے.

مؤلف اپنی کتاب کے بارے میں خود رقمطراز ہیں: "یہ کتاب اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے منفرد ہے. اس موضوع پر اب تک ایسی کثیر الفوائد کتاب دیکھنے میں نہیں آئی ہے. ہم نے اس میں نبی کریم ﷺ پر درود و سلام سے متعلق احادیث نبویہ کا ذکر کیا ہے، اور صحت و ضعف اور دیگر اعتبار سے ان کا تفصیلی جائزہ لیا ہے. نیز اس دعا یعنی درود و سلام کے اسرار و حِکَم، تاثیرات و فوائد، اور اس کی عظمت و اہمیت کو واضح کیا ہے. ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر صلاۃ و سلام بھیجنے کے کون سے اوقات

و مواقع ہیں، اور درود و سلام کی کتنی مقدار واجب ہے. مذکورہ مسائل میں ہم نے اہل علم کے اختلافات بیان کر کے قول راجح کی وضاحت کر دی ہے، اور ضعیف و مرجوح اقوال کی تردید کر دی ہے. حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے اندر جن فوائد و حِکَم کو سمیٹے ہوئی ہے انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا. والحمد للہ رب العالمین".

مؤلف رحمہ اللہ نے چونکہ اس کتاب میں احادیث کی سندوں اور رُواۃ حدیث کے ناموں پر تفصیلی بحث کی ہے، اس لئے اس کی مثال اس موتی کی ہو گئی ہے جو سیپ میں بند ہو. جو قارئین کرام علمِ حدیث کی معلومات نہیں رکھتے انہیں مقصود تک پہونچنے کے لئے کافی محنت کرنی پڑتی ہے، اسی لئے یہ نہایت مناسب سمجھا گیا کہ اس عظیم کتاب سے علمِ حدیث کی ان طویل بحثوں کو حذف کر دیا جائے، اور اس میں منتشر موتیوں کو نئی ترتیب وتنسیق کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے، تاکہ سیپوں میں بند موتی منظم طور پر عیاں ہو جائیں، اور ان سے استفادہ سب کے لئے آسان ہو جائے.

قارئین کرام! خاتم النبیین سید الاولین والآخرین کے ذکرِ جمیل میں برسوں سے میں نے جو روحانی سعادت پائی ہے، اس کی تعبیر کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں. اب تو حال یہ ہو گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی جب بھی اپنی زبان پر آجاتا ہے یا کسی سے سن لیتا ہوں تو دل بھر آتا ہے، زبان رُک جاتی ہے، آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں، اور دل ہی دل میں درود و سلام کے مہکتے پھول نبی اُمّی ﷺ کے نام پر نچھاور کرنے لگتا ہوں. اللهم صلّ وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

اس کتاب کو آپ حضرات کے سامنے پیش کر کے میں اپنے تمام قارئین کو نبی کریم ﷺ کے ذکرِ جمیل اور ان پر درود و سلام بھیجنے کے خیرات و برکات میں شریک کرنا چاہتا ہوں.

میں ذیل میں علامہ ماوردی کے کلام سے استفادہ کر کے رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات سے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں جو امید کرتا ہوں کہ کتاب کا بہت ہی مفید حصہ بنیں گی اور نبی کریم ﷺ کی اہم خصوصیات کی ایک جھلک پڑھنے والوں کے قلب و نظر کو یقیناً جِلا بخشیں گی:

کسی آدمی کو "کامل" اسی وقت مانا جائے گا جب وہ جسم اور شکل و صورت، حسن سلوک اور اخلاق حمیدہ، اونچے اقوال اور پاکیزہ گفتگو، اور پاکیزہ اعمال و کردار کے اعتبار سے کامل ہو گا.

کمالِ شکل و صورت اور کمالِ جسمانی کے لئے چار اوصاف کا اعتبار ہوتا ہے:

۱. چہرہ ایسا پُر سکون و پُر اطمینان ہو کہ اسے دیکھنے والے پر پہلی نظر میں ہی ہیبت طاری ہو جائے، اور اس کے احترام و تعظیم کے لئے اپنے آپ کو مجبور پائے. نبی کریم ﷺ اس اعتبار سے بہت ہی پُر ہیبت انسان تھے. کسریٰ کے قاصد جب آپ کے سامنے آئے تو ان پر آپ کی شدید ھیبت طاری ہو گئی، حالانکہ وہ شاہانِ فارس اور وہاں کے دیگر ظالم و جابر حکام کے پاس آمد و رفت کے عادی تھے. نبی کریم ﷺ اگرچہ شاہوں کی طرح تخت شاہی پر جلوہ افروز نہیں تھے، اور نہ آپ کے ارد گرد پہرہ داروں اور نہ فوج و لشکر کی بھیڑ تھی، بلکہ سراپا تواضع اور نرم خو انسان تھے، لیکن کسریٰ کے قاصدوں کے دل آپ کی ھیبت سے ہل گئے اور ان کی آنکھیں آپ کے رعب و دبدبہ سے جھک گئیں.

۲. چہرے پر محبت و بشاشت کے ایسے آثار ہوں جو چہرے والے کے لئے خلوص و محبت اور صدق و صفا کی دعوت دیں. نبی کریم ﷺ نہایت ہر دلعزیز اور محبوب شخص تھے، نہ آپ کے کسی صحابی نے آپ سے دوری اختیار کی اور نہ ہی کسی قریبی شخص نے آپ سے بُعد اختیار کیا. صحابہ کرام نے آپ سے اپنے آبا و اجداد، اپنی اولاد اور شدت پیاس کی حالت میں ٹھنڈا پانی پینے سے زیادہ آپ سے محبت کی.

۳. صورت اتنی جاذب نظر اور دلپذیر ہو کہ اس پر جس کی بھی نظر پڑے، اس کا اسیر اور اس کا تابع فرمان بن جائے. نبی کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک دلوں پر ایسا اثر کر جاتا تھا کہ آپ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی دل ہار بیٹھتا تھا، اور سب کچھ کی قربانی دے کر آپ کی مصاحبت اختیار کر لیتا تھا. اس نعمت سے وہی محروم رہتا تھا جس کی آنکھوں پر حسد و عناد کا دبیز پردہ پڑا ہوتا تھا، اور جس کے لئے بدبختی لکھ دی گئی ہوتی تھی.

۴. لوگوں کے دل از خود اس کی پیروی کرنے پر آمادہ ہو جائیں، اور اس راہ کی تکلیفوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کا عزم صمیم کر لیں، اور کوئی بھی مخلص و وفادار شخص اس سے بچھڑنے کی نہ سوچے.

نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرام کا یہی حال تھا، انہوں نے ہر حال میں آپ کی پیروی کی، اور اس راہ میں انہوں نے ہر قسم کی تکلیف اٹھائی، لیکن ان کی وفاداری اور اخلاص و محبت میں سر مو فرق نہیں آیا.

کمالِ اخلاقِ کریمانہ کے لئے چھ چیزوں کا اعتبار ہوتا ہے:

۱. آدمی بڑی عقل، گہری فکر، صحیح رائے اور سچی فراست رکھتا ہو. ہمارے نبی ﷺ میں یہ چیزیں بدرجۂ اکمل موجود تھیں، کبھی کوئی دشمن آپ کو غافل کر کے دھوکہ نہیں دے سکا، اور کبھی کسی مشکل گھڑی میں آپ عاجز و درماندہ نظر نہیں آئے، بلکہ آپ نے ہمیشہ ہی برخود غلط افکار کے پردے فاش کئے اور ان کے عیوب کو صحابۂ کرام کے سامنے کھول کر بیان کر دیا.

۲. آدمی مصائب و شدائد میں ثابت قدم رہے، ان پر صبر کرے، آندھیاں اٹھیں، طوفان آئے، لیکن اس کے قدموں میں لغزش نہ آئے، اور ہمت نہ ہارے.

نبی کریم ﷺ نے مکی دور میں قریش کی طرف سے ایسی تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن آپ نے اپنی بے بسی اور کمزوری کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور عظمت و عزیمت کا مینار بنے لوگوں کے دلوں کو روشن کرتے رہے.

۳. آدمی دنیا کی لالچ سے دور اور زہد و قناعت کی دولت سے مالا مال ہو. نبی کریم ﷺ کو دنیا کی رنگینیوں نے مسحور نہیں کیا، اور نہ اس کی لذتوں کے آپ اسیر ہوئے. حجاز سے عراق تک اور یمن سے عُمان تک تمام علاقے آپ کے زیرِ نگیں آگئے، لیکن ان علاقوں سے حاصل شدہ اموال غنائم کی آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی. حضور ﷺ نے نہ کوئی جائداد چھوڑی، نہ بلڈنگ بنائی، نہ ہی کوئی نہر اپنے لئے کھدوائی، اور نہ ہی کوئی مال و متاع اپنی اولاد کے لئے چھوڑا، تاکہ وفات کے بعد آپ کی اولاد دنیاوی عیش و آرام میں نہ مبتلا ہو جائے.

جس آدمی نے دنیا سے ایسی بے رغبتی کا اظہار کیا ہو، اور جس کے سبب ان کے صحابہ کرام ان کی طرف کھنچتے چلے آئے، ان پر دنیا طلبی کا اتہام نہیں لگایا جاسکتا، وہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتے تھے کہ انہوں نے فکر آخرت کی جھوٹی بات کی ہو، ان کے بارے میں یہ بات عقل سے لگتی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ دنیا کے لئے دوڑ لگاتے، اس لئے کہ ان کی پاکیزہ سیرت شاہد ہے کہ انہوں نے معاشِ قلیل پر اکتفا کیا، اور ساری زندگی تنگدستی میں گزاری.

۴. آدمی اپنے ارد گرد رہنے والوں کے ساتھ نہایت محبت و تواضع کے ساتھ پیش آئے.

ہمارے آقا ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ ایسے ہی تھے، آپ بازاروں میں چلتے تھے، خاک نشینی کو پسند کرتے تھے، اپنے صحابہ کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے تھے کہ آپ میں اور ان میں تمیز کرنا مشکل ہوتا تھا، صرف آپ کا انداز حیاء اور سر کو جھکائے رکھنا آپ کی شخصیت کی غمازی کرتا تھا. گویا صرف تواضع کے ذریعہ آپ اپنے صحابہ کے درمیان پہچانے جاتے تھے، اور اپنے رب کے لئے ذلّت وانکساری کے ذریعہ آپ ان کے درمیان معزز و مکرم تھے.

ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا تو آپ کو دیکھتے ہی بہت زیادہ مرعوب ہو گیا، آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اس سے کہا کہ گھبراؤ نہیں، میں بھی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ میں سوکھا گوشت کھاتی تھی.

یہ بات آپ کے بلند اخلاق کریمانہ اور عظیم شرافت نفسی کا بیّن ثبوت ہے. اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت ہی ایسی بنائی تھی. اخلاق کریمانہ کی تمام باتیں آپ کے مزاج و سرشت میں رچی بسی تھیں.

۵. ہمارے نبی کریم ﷺ نہایت پُروقار اور حلیم و بردبار تھے، آپ کبھی طیش میں نہیں آتے تھے، کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے، آپ سب لوگوں سے زیادہ بردبار تھے، اور جدال و نزاع میں سب سے زیادہ سلیم الطبع تھے. آپ کو سخت مزاج دیہاتیوں سے واسطہ پڑا، لیکن آپ کی زبان مبارک سے کوئی سخت لفظ نہیں نکلا، اور نہ ہی ان کے ساتھ سخت معاملہ کیا. دنیا میں ان کے سوا ہر بردبار کے پاؤں کبھی پھسل گئے، اور ہر باوقار سے کوئی لغزش سرزد ہو گئی، لیکن ہمارے نبی ﷺ کی ان کے رب نے حفاظت کی، اسی لئے کبھی آپ نے اپنے نفس کی پیروی نہیں کی، اور کبھی بھی قدرت ہونے کے باوجود کسی کے سامنے طیش میں نہیں آئے. آپ اپنی امت کے لئے نہایت مہربان، اور اللہ کی ساری مخلوق کے لئے بے حد ہمدرد تھے. قریش نے آپ کو بڑی بڑی اذیتیں پہنچائیں، آپ کے ساتھ ظلم وجور کو روا رکھا، اور آپ صبر و ثبات کا پہاڑ بنے سب کچھ جھیلتے رہے اور کبھی ان کے لئے برا نہیں سوچا.

قریشیوں کا یہ برا برتاؤ صرف ان کے جاہلوں اور سفیہوں کی جانب سے ہی نہیں تھا، بلکہ ان تمام جرائم میں ان کے رؤساء بھی شریک تھے، آپ کے خلاف سازش کرنے میں سبھی متفق تھے، لیکن عام عقلِ انسانی حیرت میں پڑ جاتی ہے جب آپ کی سیرت سے متعلق کتابوں میں لوگ پڑھتے ہیں کہ قریشیوں

کا ظلم وجور جتنا بڑھتا گیا، ان کی سازشوں کے تانے بانے جتنے مستحکم ہوتے گئے، اتنا ہی آپ کی بردباری بڑھتی گئی، اور اتنا ہی آپ ان ظالموں کو نظر انداز کرتے گئے. اور اللہ نے جب آپ کو ان پر غلبہ عطا کیا، اور جب ان سے انتقام لینے پر قادر ہوئے تو ان سب کو معاف کردیا. فتح مکہ کے بعد جب اہل قریش آپ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے کہا: آپ کریم النفس چچا کے بیٹے ہیں، اگر آپ معاف کردیں گے تو ہمارا آپ کے بارے میں یہی حسن ظن ہے، اور اگر آپ ہم سے انتقام لیں گے تو یہ آپ کے ساتھ ماضی میں ہمارے برے برتاؤ کا نتیجہ ہوگا. تو آپ نے فرمایا: میں آج وہی بات کہوں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ آج تمہاری کوئی گرفت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف کردے، اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے. نیز فرمایا: اے اللہ، تو نے اولین قریش کو عذاب سے دوچار کیا تو اب موجودہ قریشیوں پر اپنی نوازش فرما. آپ کے پاس ہند بنت عتبہ آئی جس نے آپ کے چچا حمزہ کا پیٹ چاق کیا تھا، اور ان کی کلیجی چبائی تھی، تو آپ نے اسے معاف کردیا اور اس کی بیعت کو قبول کیا.

اگر کوئی کہے کہ آپ نے ایک ہی دن میں بنو قریظہ کے سات سو جوانوں کی گردنیں تہ تیغ کردی تھیں، یہ معاملہ صفت عفو و درگذر سے میل نہیں کھاتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ اللہ کے حقوق کی خاطر تھا. بنو قریظہ نے جب سعد بن معاذ کو فیصل تسلیم کرلیا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے ہر بالغ کو قتل کردیا جائے، اور ہر نابالغ کو غلام بنالیا جائے. آپ ﷺ نے ان کا یہ فیصلہ سن کر فرمایا: سات آسمانوں کے اوپر اللہ نے یہی فیصلہ کیا ہے. آپ کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ اللہ کا جو حق بنو قریظہ پر واجب ہوچکا تھا، اسے آپ اپنی طرف سے معاف کردیتے. آپ کا عفو و درگذر کرنا اپنے ذاتی حقوق کے ساتھ خاص تھا، جس کی مثالوں سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں.

۶. ہمارے نبی کریم ﷺ عہود و مواثیق کی شدید پابندی کرتے تھے، وعدہ وفا کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، آپ نے کبھی نقضِ عہد نہیں کیا، اور کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی، دھوکہ دہی کو آپ کبیرہ گناہ جانتے تھے، اور وعدہ خلافی کو شرافت نفسی کی ضد سمجھتے تھے، آپ ہر حال میں عہد و پیمان کی پابندی

کرتے تھے، اور وعدہ پورا کرتے تھے. آپ کے ساتھ عہد و پیمان کرنے والے جب نقضِ عہد کرتے تھے تو اللہ کی جانب سے آپ کو بھی اسی جیسا معاملہ کرنے کی اجازت مل جاتی تھی، جیسا کہ بنو قریظہ اور بنونضیر کے یہودیوں نے کیا، اور جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے کیا گیا عہد و پیمان توڑ کر قریشیوں نے کیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو بھی ان کے ساتھ انہی جیسا معاملہ کرنے کی اجازت مل گئی، اور حالات نے ثابت کر دیا کہ ان دشمنانِ اسلام کے نقضِ عہد میں ہی اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی پوشیدہ تھی.

بلند اقوال اور پاکیزہ گفتگو والا ہونے کے لئے آٹھ باتوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے، اور وہ تمام کی تمام باتیں ہمارے حضور ﷺ کے اندر بدرجہ اُتم پائی گئیں:

۱. آپ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حکمت و دانائی سے نوازا تھا، حالانکہ آپ ان پڑھ قوم کے ایک ان پڑھ فرد تھے، آپ نے کبھی کسی شخص سے یا کسی مدرسے میں جا کر کوئی کتاب نہیں پڑھی اور نہ کوئی علم سیکھا. کبھی کسی عالم یا معلّم کے ساتھ آپ نہیں دیکھے گئے، لیکن آپ نے دنیا والوں کے سامنے علوم و حکمت کے خزانے لٹائے، اور کبھی آپ کے کسی قول یا کسی عمل میں کسی نے کوئی لغزش نہیں پائی. جبکہ آپ سے پہلے بہت سے حکماء اور فلاسفہ پیدا ہوئے، جنہوں نے شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کیا کہ دنیا والوں کی بھلائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی دین کی اتباع کریں، چنانچہ انہوں نے ان کے لئے اپنی سمجھ کے مطابق کچھ طریقے ایجاد کئے اور لوگوں کو انہیں قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن ان کا کوئی مثبت اثر ظاہر نہیں ہوا، اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ان میں سے اکثر و بیشتر کا وجود بھی باقی نہیں رہا، لیکن ہمارے نبی ﷺ کا لایا ہوا دین اور ان کے زرّیں اقوال چودہ صدی گزر جانے کے بعد بھی ویسے ہی زندہ و تابندہ ہیں، اور مرورِ زمانہ کے ساتھ آپ کے پیروکاروں کی تعداد دنیا میں بڑھتی جا رہی ہے. اور آپ ﷺ کی بشارت کے مطابق قیامت سے پہلے ایک زمانہ آئے گا جب چہار دانگِ عالم میں آپ کا دین پھیل جائے گا، اور ہر طرف آپ ہی کا غلغلہ ہوگا.

۲. اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی انبیائے کرام اور اقوامِ عالم کی جو خبریں بتائیں، انہیں آپ نے اپنے ذہن میں خوب اچھی طرح محفوظ کر لیا، ان تفصیلات کا کوئی بھی جز آپ کے ذہن سے غائب

نہیں ہوا. آپ نے وہ ساری باتیں کسی کتاب میں محفوظ نہیں کیں، اور نہ کسی کتاب میں پڑھ کر انہیں یاد کر لیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاف ذہن، کشادہ سینہ اور کھلا دل عطا کیا تھا، جہاں وہ باتیں محفوظ ہو گئیں، اور یہی وہ تین چیزیں تھیں جن کی مدد سے آپ نے اللہ کے پیغام کو بلا کم وکاست محفوظ کر لیا، اور پھر پوری امانت کے ساتھ من وعن دنیا والوں کے سامنے اسے پیش کر دیا، اور خاتم النبیین سید المرسلین کے لقب کے مستحق بنے.

٣. اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو جو شریعت ملی اسے پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا. آپ نے رسالت کی ادائیگی میں کوئی ایسی بات نہیں چھوڑ دی جس کا عقل تقاضا کرتی ہو، اور نہ اس میں کوئی ایسی بات داخل کر دی جسے عقل قبول نہ کرتی ہو. آپ کا فرمان ہے: مجھے جامع انداز کلام دیا گیا ہے، اور حکمت کی باتیں مجھے مختصر الفاظ میں سکھا دی گئی ہیں. چنانچہ آپ نے مختصر الفاظ میں بہت سی باتیں بتائیں، آپ نے ہمیشہ طویل گفتگو سے پرہیز کیا، اور مختصر عبارتوں کے ذریعہ جہالت پر کاری ضرب لگائی. اور یہ سب کچھ آپ کو محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغامبری کی ذمہ داری نبھانے کے لئے دیا گیا تھا.

٤. آپ اخلاق حمیدہ کی بلندیوں پر فائز تھے، تہذیب وشائستگی کی چوٹیوں کو چھو رہے تھے، صلہ رحمی آپ کا شیوہ تھا، اور کمزوروں اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی ومہربانی کا برتاؤ آپ کی عادت کریمانہ تھی.

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو آپس کے بغض وحسد سے منع فرمایا اور قطع تعلق سے روکا، تاکہ ان کے درمیان اچھائیوں کا چلن ہو، اخلاق حسنہ کی روش عام ہو، اور تہذیب وشائستگی رواج پائے. مسلمان بھلائی کی طرف سبقت کریں اور بُرائی سے شدت کے ساتھ پرہیز کریں. اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے بارے میں جو بات کہی ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اس کا عملی نمونہ بنیں. اور تاریخ اسلام گواہ ہے کہ صحابہ کرام آپ کی امیدوں پر پورے اترے، انہوں نے آپ کے اوامر کی پیروی کی، اور نواہی سے اجتناب کیا، اور اس طرح ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور گئی، دین اسلام کو ان کے ذریعہ قوت وعزت ملی، اور شرک

ہمیشہ کے لئے سر نگوں ہو گیا، بلکہ جزیرۂ عرب سے ہمیشہ کے لئے شرک کا وجود ہی ختم ہو گیا، اور صحابہ دنیا میں ائمہ کرام اور قائدین عظام بن کر اُبھرے، اور دنیا والوں کو ہر بھلائی کا حکم دیا اور ہر برائی سے روکا.

۵. آپ ﷺ سے جب کوئی سوال کیا جاتا تو اس کا جواب نہایت سلجھا ہوا اور واضح ہوتا، اور جب کوئی شخص آپ سے کسی موضوع پر مجادلہ کرتا تو آپ کی دلیل ظاہر و باہر ہوتی، آپ کو کوئی عاجز نہیں بنا سکتا تھا.

۶. آپ ﷺ کا لہجہ بہت ہی صریح ہوتا تھا، کبھی کسی بات کو بدل کر نہیں پیش کرتے تھے، اور نہ آپ کی گفتگو لمبی ہوتی تھی جس کے سبب کوئی آپ کو جھوٹا کہتا، آپ کی صدق بیانی اور امانتوں کی حفاظت مشہور تھی، اسلام آنے سے پہلے جوانی میں ہی آپ صادق وامین کے نام سے مشہور ہو گئے تھے، اسی لئے اسلام آنے کے بعد قریشیوں کے لئے آپ کی تکذیب کرنا بڑا ہی مشکل تھا. انہوں نے آپ کی تکذیب محض حسد و عناد کے سبب کیا یا اس لئے کیا کہ انہوں نے ایک انسان کا نبی یا رسول ہونا بعید از عقل سمجھا. اہل قریش نے اگر رسالت سے پہلے آپ کو ایک بار بھی جھوٹا ثابت کر دیا ہوتا تو رسالت ملنے بعد اسے بطور دلیل و حجت پیش کرتے، لیکن آپ کی صداقت کا شہرہ بچپن سے ہی ان کے درمیان عام تھا، اور بڑے ہو کر تو آپ کی یہ صفت تمام قبائلِ عرب میں مشہور ہو گئی تھی، اسی لئے آپ کا کوئی دشمن یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ تو پہلے سے جھوٹ بولتا رہا ہے، اس لئے اگر آج نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو تعجب کی کون سی بات ہے. اور یہ بات عقل سے لگتی ہے کہ جنہوں نے اپنی نجی زندگی میں جھوٹ بولنا کبھی گوارہ نہیں کیا، وہ اپنے خالق و مالک، اور رب العالمین کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتے تھے.

۷. آپ ہمیشہ ضرورت کے مطابق ہی بات کرتے تھے، خواہ مخواہ اپنی گفتگو لمبی نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی آپ کی بات ایسی ناقص ہوتی تھی کہ مقصود واضح نہ ہو سکے. ضروری گفتگو کے علاوہ عام حالات میں آپ خاموش رہنا ہی پسند فرماتے تھے، اور یہی سبب ہے کہ آپ کی باتیں صحابہ کرام نے یاد کر لیں، اور بعد میں انہیں کتابوں میں مدوّن کر لیا.

۸. آپ عربوں میں سب سے زیادہ فصیح تھے، آپ کا کلام ہمیشہ جامع، مختصر، واضح، اور تکلّف و تصنّع سے پاک ہوتا تھا. آپ ﷺ کے بہت سے جامع کلمات، فصیح و بلیغ خطبے اور نصائح و مواعظ صحابہ

نے آپ کی زبان سے سن کر یاد کر لیا تھا، اور بعد میں انہیں مدوّن کر لیا تھا. اگر عصر حاضر کی طرح اُس وقت خُطبوں اور لکچروں کے ریکارڈ کرنے کی سہولت ہوتی تو آج آپ کے جوامع الکلم کا ایک بحر بے کنار دنیاوالوں کے سامنے ہوتا.

آپ کی گفتگو اور آپ کا اسلوب بیان دوسروں سے بالکل ہی مختلف ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نے آپ کے کلام کے ساتھ کسی اور کا کلام ملایا، تو محدثین کرام نے اسے پہچان لیا، اور حق باطل سے جدا ہو کر سامنے آگیا، حالانکہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کسی ادیب و شاعر اور خطیب کی صحبت اختیار نہیں کی. در حقیقت اللہ تعالیٰ نے یہ صفات آپ کی فطرت میں ودیعت کر دی تھی، تاکہ آپ نبوت اور پیغام رسانی کے فرائض بدرجۂ اتم انجام دے سکیں.

اچھے افعال اور عمدہ کردار کے لئے آٹھ صفات کا اعتبار ہوتا ہے:

۱. نبی کریم ﷺ نے اپنے حسنِ سیرت اور دینی امور میں سچی سمجھ اور صحیح تدبیر کے ذریعہ دنیائے عرب کے پرانے عادات واطوار بدل دیئے. انہیں جاہلیت کی ظلمتوں اور تنگیائیوں سے نکال کر اسلام کی وسعتوں اور پہنائیوں میں پہنچادیا، اور عرب آپ کے ایسے گرویدہ ہوگئے کہ اپنی جانوں کو آپ پر نثار کرنے لگے، اور جنت کی لالچ اور جہنم کے خوف سے ان کی گردنیں اللہ کے لئے جھک گئیں.

۲. آپ نے قبائل عرب کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لئے نہایت بالغ نظری سے کام لیا. کچھ قبائل کو دنیاوی اور اُخروی فائدوں کی ترغیب دی، اور کچھ پر اپنے رعب ودبدبہ کا اثر ڈالا اور انہیں اپنی فوجی قوت کے ذریعہ ڈرایا، یہاں تک کہ سب حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، آپ کی نصرت و تائید کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی دعوت کو لے کر آگے بڑھے، اور کچھ ہی دنوں کے بعد اسلام کی جڑیں جزیرۂ عرب میں مضبوط ہو گئیں، شرک وبت پرستی کا خاتمہ ہوگیا، اور ہر طرف دین اسلام کا بول بالا ہو گیا.

۳. آپ نے انسانوں کے سامنے جو دین پیش کیا وہ نہایت معتدل اور ہر افراط و تفریط سے پاک تھا. آپ نے ہمیشہ اعتدال اور میانہ روی کو پسند کیا، تقصیر اور غلو سے پرہیز کیا، اور اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا کہ میانہ روی میں ہی امت مسلمہ کی ہر بھلائی ہے.

۴. آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نہ محض دنیاداری کی تعلیم دی، اور نہ ہی انہیں صرف تارک الدنیا

ہونا سکھایا. آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی آخرت کی خاطر دنیا کو نہیں چھوڑ دیتا، اور نہ دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے. تم میں سے بہتر وہ ہے جو دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے. نیز آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا بہترین سواری ہے، تم لوگ اسے ذریعۂ سفر بناؤ، تاکہ یہ تمہیں آخرت کی کامیابی تک پہنچادے.

۵. اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن احکام و شرائع کا پابند بنایا ہے، آپ نے اپنی امت کے لئے ان تمام کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا، حلال و حرام، مباح و ممنوع اور جائز و ناجائز سب کچھ واضح کر دیا، شادی بیاہ، خرید و فروخت اور دیگر تمام عہود و مواثیق کی تشریح کر دی. اور شریعت اسلامیہ کے لئے ایسے اصول و ضوابط وضع کر دیئے جو رہتی دنیا تک انسانوں کی شرعی ضرورتیں پوری کرتے رہیں گے.

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ بھی سکھایا کہ جن لوگوں نے آپ کی کوئی بات نہیں سنی ہے، ان تک آپ کی باتیں پہنچادی جائیں، اور یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے، ہر حاضر غائب کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتا رہے، تاکہ ہر شخص پر اللہ کی حجت قائم ہوتی رہے، اور زمین کے ہر گوشے تک آپ کا دین پہنچتا رہے.

۶. آپ ﷺ نے دشمنان اسلام کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، اور اسلام کے زیر نگیں آئے ہوئے علاقوں میں شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کیا، اور دونوں ہی کاموں میں اللہ کی نصرت و تائید آپ کے ساتھ رہی، اسی لئے آپ کا دین پھیلتا گیا، شریعت کا نفاذ تمام مسلم علاقوں میں ہوتا گیا، اور آپ کے دشمن مغلوب ہوتے گئے، یہاں تک کہ اللہ کا دین پورے طور پر غالب آگیا اور جزیرۃ العرب سے شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا. یہ عظیم کامیابی آپ کو محض اللہ کی نصرت و تائید سے حاصل ہوئی.

۷. آپ جنگوں میں داد شجاعت دیتے تھے، اور دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بن جاتے تھے، آپ نے جن جنگوں میں حصہ لیا ان میں صبر و عزیمت کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے، اور آپ کے دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی. غزوۂ حنین کے دن آپ کے ساتھی پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے، اور آپ صرف نو ۹ اہل بیت اور صحابہ کے ساتھ دشمنوں کی کثیر تعداد کے سامنے سینہ سپر رہے، اور جس مادہ خچر پر آپ سوار تھے وہ تیز نہیں دوڑ سکتی تھی، لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آئی، آپ اپنا سر اونچا کر کے صحابہ کو پکارتے تھے اور کہتے تھے کہ اے

اللہ کے بندو، میرے ارد گرد جمع ہو جاؤ (أنا النبي لا كذب أنا ابن عبدالمطلب) میں اللہ کا نبی ہوں، یہ بات جھوٹی نہیں ہے، اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں. آپ کی آواز سُن کر صحابہ کرام آپ کی طرف لوٹ آئے، اور قبیلہ ہوازن کے لوگ آپ کو دیکھتے تھے لیکن آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرتے تھے. یہ اور اسی طرح کے دیگر واقعات دلیل وشاہد ہیں کہ نبی کریم ﷺ کبھی دشمنوں کی کثرت سے گھبرا کر پسپا نہیں ہوئے. اور کبھی پیٹھ پھیر کر اور اپنے ساتھیوں کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی کوشش نہیں کی.

ایک بار اہل مدینہ کو دشمنوں کا خوف لاحق ہو گیا، لوگ سمجھے کہ شہر مدینہ خطرے میں پڑ گیا ہے، لوگ فوراً اُس طرف دوڑ پڑے جدھر سے آواز آرہی تھی، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے سے وہاں پہنچ چکے تھے اور ابو طلحہ انصاری کے گھوڑے پر سوار واپس آرہے تھے، تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی، اور لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ لوٹ چلو، خطرے کی کوئی بات نہیں ہے.

آپ کو یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا، اور آپ کے دین کو غالب کرے گا، جیسا کہ اس کا وعدہ ہے. ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے گا، اور جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ میرے لئے زمین سکیڑ دی گئی تو میں نے مشرق ومغرب کے تمام حصوں کو دیکھا، میری امت کی حکومت زمین کے ان تمام حصوں پر ہو گی جو میرے لئے سکیڑ دیے گئے تھے.

۸. آپ جود وسخاء میں اوروں سے بہت آگے تھے. بخل جیسی خسیس وخبیث صفت آپ کے پاس سے بھی نہیں پھٹکی تھی، آپ نے اپنے رب کی رضا کے لئے ہر چیز اس کی راہ میں خرچ کر دی، کوئی چیز اپنے لئے باقی نہیں رکھی. جب وفات پائی تو آپ کا زرہ ایک یہودی کے پاس تین کیلو جو کے بدلے مرہون تھا.

پورا جزیرۂ عرب آپ کے زیر نگیں آگیا، اور ان علاقوں میں ایسے شاہان ورؤساء موجود تھے جن کے پاس بیش بہا خزانے اور دولت تھی جن پر انہیں ناز تھا، اور جن کے ذریعہ وہ عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تھے، آپ فتوحات اسلامیہ کے ذریعہ ان سب کے مالک بن گئے، لیکن آپ نے اپنے

لئے ایک درہم بھی گوارہ نہیں کیا. آپ نے زندگی بھر نہایت معمولی کھانا کھایااور بے حد سادہ لباس پہنا. آپ نے دوسروں کو لاکھوں سے نوازا، انہیں بوریاں بھر بھر کر دیا، اور اپنے لئے سختی اور تنگی کی زندگی کو ترجیح دیا. آپ کہا کرتے تھے کہ میں مومنوں کا خود ان سے زیادہ حقدار ہوں، جس پر کوئی قرض ہو گا اس کا ذمہ دار میں ہوں گا، اور جو شخص مال چھوڑ کر دنیا سے جائے گا وہ اس کے ورثہ کا ہو گا. کیا دنیا میں ایسے جود و کرم کی دوسری مثال پائی گئی ہے، اور کیا مال و دولت سے ایسی بے اعتنائی کا کوئی دوسرا مظہر تاریخ انسانیت میں ملتا ہے؟

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ کا بے مثل کردار آپ کی عظیم نبوت کی بہت بڑی نشانی تھا. اخلاق کریمانہ اور بلند کردار کی جو صفات آپ میں جمع تھیں وہ کبھی کسی دوسرے انسان میں نہیں پائی گئیں، اور نہ قیامت تک کسی میں پائی جائیں گی. آپ جیسا حلیم و صابر، آپ جیسا وفادار، آپ جیسا زاہد فی الدنیا، آپ جیسا کریم و سخی، آپ جیسا صادق اللسان، آپ جیسا متواضع، اور آپ جیسا پُر وقار انسان دنیا میں نہیں پایا گیا. آپ کی خاموشی، آپ کا انداز گفتگو، آپ کا عفو و درگذر اور آپ کی ہمت و شجاعت اپنی مثال آپ تھی.

مندرجہ بالا تفصیلات سے قارئین کرام کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے اندر وہ چاروں خوبیاں بدرجۂ اتم پائی گئیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی کسی کو "انسان کامل" کہا جاسکتا ہے. چنانچہ آپ انسانِ کامل تھے، اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت کا بار گراں اٹھانے کے لئے آپ کو جسمانی، عقلی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مکمل نمونہ بنایا تھا. اسی لئے تو اللہ تعالے نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ مومنو، اللہ کے رسول تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں، یعنی زندگی کے کسی بھی میدان میں آگے بڑھنے کے لئے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہی روشنی حاصل کرنی ہے. اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ سورۃ الأحزاب کی آیت ۵۶/ سے لگایا جاسکتا ہے جس میں باری تعالیٰ نے صراحت کر دی ہے کہ وہ اور اس کے تمام فرشتے جو آسمانوں اور زمین میں پھیلے ہوئے ہیں، نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، اس لئے مومنو، تم بھی

ان پر درود و سلام بھیجتے رہو.

اس مقالے کی ابتدا میں، میں یہ بات لکھ آیا ہوں کہ یہ "کتابِ عظیم" اسی آیت کریمہ میں غور و فکر اور تأمل و تدبر کا نتیجہ ہے. اسی لئے اب اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے اردو خواں قارئینِ کرام کے سامنے کتاب کا سلیس اردو ترجمہ پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ سے روحانی رشتہ استوار کرنے میں یہ کتاب ہم سب کے لئے مفید اور معاون ثابت ہو گی.

اور آخر میں جناب حفیظ تائب کے مندرجہ ذیل چند اشعار پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

خوشبو ہے دو عالم میں تری اے گُلِ چیدہ — کس منہ سے بیاں ہوں ترے اوصاف حمیدہ
تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں — دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
اے ہادئ برحق تری ہر بات ہے سچی — دیدہ سے بھی بڑھ کر ہے ترے لب سے شنیدہ
اے رحمتِ عالم، تری یادوں کی بدولت — کس درجہ سکوں میں ہے مرا قلب تپیدہ
تو روحِ زمن، روحِ چمن، روحِ بہاراں — تو جانِ بیاں، جانِ غزل، جانِ قصیدہ

فداه أبي وأمّي، وصلّى الله وسلّم وبارك على نبيّنا وسيّدنا ومولانا محمد بن عبدالله وعلى آله وصحبه اجمعين.

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی

رئیس و مؤسس مرکز علامہ ابن باز للدراسات الإسلامیہ، ہند

و مشرف دار الداعی للنشر والتوزیع. الریاض.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد) پر قرآن نازل کیا، اور اس میں کوئی کجی نہیں رہنے دی، اسے ہر اعتبار سے درست بنایا، تا کہ وہ اللہ کے شدید عذاب سے ڈرائے، اور ان مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری دے کہ ان کے لئے بہت اچھا اجر (جنت) ہے۔

اور درود و سلام ہو اس ذات ستودہ صفات پر جو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے، جو اللہ سے ڈرنے والوں کے امام، اور اس کی سیدھی راہ پر چلنے والوں کے لئے رہبر اور نشانِ راہ تھے۔ درود و سلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ پر، جنہیں اللہ تعالیٰ نے واضح دلائل، قطعی حجتیں اور روشن نشانیاں دے کر بھیجا تھا، جنہوں نے سوئی ہوئی عقلوں کو جگایا، اور لوگوں کو ان کی گمراہی سے آگاہ کیا، جن کی رسالت کے ذریعہ اللہ نے اندھی آنکھوں کو روشنی دی، بہرے کانوں کو قوت سماعت دی، اور بند دلوں کو وا کیا، جن کی رسالت کے ذریعہ زمین پُر نور ہو گئی اور دلوں میں الفت پیدا ہوئی۔ جن کی دعوت ان اقطار عالم تک پہنچی جہاں آفتاب کی روشنی پہنچی، اور جن کا دین وہاں تک پہنچا جہاں لیل و نہار کی گردش پہنچی۔

آپ پر اللہ کا درود و سلام ہو، جب آپ دنیا میں زندہ تھے، اور آپ کی وفات کے بعد بھی، افضل سلام اور شگفتہ درود، پاکیزہ تر سلام اور بے انتہا معطّر درود۔ اللہ تعالیٰ سارے جہان میں آپ کے دین و حجت کو، اور آپ کے مقرّب لوگوں میں آپ کی محبت کو باقی رکھے، اور اُعلی علیین میں آپ کو درجہ و مقام عطا فرمائے۔

اور درود و سلام ہو آپ کی آل پر، آپ کے اصحاب پر، اور ان تمام لوگوں پر جنہوں نے آپ کی پیروی کی، اور جو لوگ قیامت کے دن تک آپ کی راہ پر چلتے رہیں گے۔

أما بعد

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، اور اول دن سے ہی مسلمانوں نے برضا و رغبت نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کو اپنے معمولات کا ایک اہم حصہ بنایا ہے، اس

لئے بعد کے علماء نے اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کی وضاحت میں بہت کچھ لکھا ہے. درود کی اہمیت و فضیلت سے متعلق اسلاف کی تحریریں باقاعدہ کتابی شکل میں بھی ہیں اور مقالات و رسائل کی شکل میں بھی، اور ابن قیم رحمہ اللہ کی یہ کتاب ''جلاء الأفہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی محمد خیر الأنام'' ان کتابوں میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے کیونکہ اس کتاب میں درود سے متعلق مسائل و قواعد اور اس کے فوائد و برکات کو واضح و قطعی دلائل کی روشنی میں انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے.

چونکہ مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی اصل کتاب میں تمام متعلقہ دلائل کے احاطہ کرنے کی غرض سے بعض مباحث کی قدرے تفصیل کی ہے جو بسا اوقات کتاب سے سرسری طور پر استفادہ کرنے والے کو حصول مقصد سے روکتی ہے اس لئے میری یہ خواہش ہوئی کہ میں امام موصوف کی اس عظیم تالیف کی بعض تفصیلات کا اختصار کر دوں جو حصول مقصد میں مخل بھی نہ ہو اور اصل کتاب کی تمام اہم باتیں بھی اس میں شامل ہو جائیں جس کی وجہ سے اس کے اصل مقاصد اور حقیقی فوائد برقرار رہیں.

میں نے اپنے اس انتخاب میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:

۱. میں نے لغوی بحث میں سے صرف انہیں باتوں کو شامل کیا ہے جن کی ضرورت تھی.
۲. احادیث و آثار کو موضوع کے اعتبار سے مرتب کیا ہے اور اس کے لئے عناوین بھی مقرر کئے ہیں.
۳. احادیث و آثار کے صحیح و ثابت حصوں کی تخریج پر اکتفا کیا ہے. اور تخریج کے مصادر و مراجع کو بھی ذکر کیا ہے.
۴. ضعیف و مرجوح اقوال کو حذف کر کے مؤلف کتاب نے جس قول کو راجح قرار دیا ہے اس کو بیان کیا ہے.
۵. مؤلف نے مرویات میں سے جس کو صحیح قرار دیا ہے اسی کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور غیر ضروری طول کی وجہ سے ان سندوں کے ساتھ تعرض نہیں کیا ہے جن پر مؤلف نے تفصیلی بحث کی ہے.
۶. مباحث کے درمیان مزید ربط و توافق کی غرض سے اصل کتاب کے بعض ابواب اور فصول کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا گیا ہے.
۷. بعض تشریح طلب مقامات پر حاشیہ آرائی بھی کی گئی ہے.
۸. کتاب میں مذکور بعض اہم شخصیات کا تعارف کرایا گیا ہے.

میں نے اس انتخاب کو بہتر بنانے کے لئے اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کی ہے خاص طور پر اس کی تبویب اور حسن ترتیب کی باریکیوں کا خیال رکھا ہے. یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے اس انتخاب کے لئے اصل کتاب "جلاء الأفہام" کے اس مطبوع نسخہ کو سامنے رکھا ہے جسے دار البیان دمشق اور المؤید ریاض نے دو فاضل محقق حدیث شیخ شعیب و شیخ عبد القادر ارناؤوط کی تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع کیا ہے.

اپنی بات ختم کرنے سے قبل میں عالم، فاضل، محدث، شیخ عبد القادر ارناؤوط کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس انتخاب کا مراجعہ کر کے اور اس کے لئے مقدمہ تحریر کر کے میری عزت افزائی کی، اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کا بہترین بدلہ عنایت کرے اور ہمارے اس عمل کو نفع بخش اور اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے والحمد للہ رب العالمین.

محمد بن احمد سید احمد
مدرس دار الحدیث الخیریہ
مکہ مکرمہ

مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ کا مختصر تعارف

نام و نسب

امام، علامہ، محقق، حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی الدمشقی معروف بہ ابن قیم الجوزیۃ.

جائے پیدائش

جنوبی دمشق میں واقع خطۂ حوران کے ایک گاؤں "اِزرع" کے ایک معروف علمی خانوادہ میں ان کی پیدائش ہوئی، تاریخ ولادت ۷ رصفر ۶۹۱ ھ ہے. بعد میں وہ دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہاں کے نامور علماء کرام کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا.

تعلیم و تربیت

امام ابن قیم رحمہ اللہ کو عہد طفولت ہی سے خالص علمی و دینی ماحول ملا تھا جس کے واضح اثرات ان کی شخصیت اور ان کے اعمال و کردار پر مرتب ہوئے، یوں تو انہیں اپنے دور کے بہت سے معروف و مشہور علمائے کرام سے علم حاصل کرنے کا موقع ملا لیکن ان کے گرامی قدر استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعلیم و تربیت کا گہرا نقش نمایاں طور پر ان کے اندر نظر آتا ہے.

تلامذہ

اپنے دور کے اس عظیم المرتبت عالم دین سے جن لوگوں نے کسبِ فیض کیا ان سب کی تعداد کا احاطہ تو مشکل ہے البتہ ان میں مسلمانوں کے واعظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب بغدادی، امام، علامہ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی اور شمس الدین أبو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی کے نام اہم ہیں.

تصانیف

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مختلف علوم و فنون میں ساٹھ سے زائد تصانیف چھوڑی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ا. اجتماع الجیوش الإسلامیة علی غزو المعطلة والجهمیة (ط)

۲. إعلام الموقعين عن رب العالمين (ط)

۳. إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان (ط)

۴. زاد المعاد في هدي خير العباد(ط)

امام موصوف کے بارے میں چند علماء کی آراء

حافظ ابن رجب کہتے ہیں: امام ابن قیم کا تفسیر میں کوئی ہمسر نہیں تھا اور اصول دین میں بھی وہ اپنے دور میں حرف آخر تھے، وہ بہت بڑے عبادت گذار اور زاہد شب زندہ دار تھے، بہت لمبی نمازیں پڑھتے تھے.

حافظ ذہبی کے بقول: امام موصوف نے حدیث رسول ﷺ، اس کے متون اور بعض رواۃ کی تحقیق کی جانب توجہ دی، فقہ سے خصوصی شغف رکھتے تھے اور اسے بہترین انداز میں پیش کرنے کا بھی انہیں ملکہ حاصل تھا اور وہ علم نحو کی باریکیوں سے بھی واقف تھے.

حافظ ابن کثیر کے بقول: امام ابن قیم کو متعدد علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی، خاص طور سے تفسیر اور حدیث میں.

قاضی برہان الدین زرعی کے بقول: آسمان کے نیچے ان سے بڑا عالم اور کوئی نہ تھا.

وفات

امام موصوف کی وفات ۱۳ر رجب ۷۵۱ھ میں ہوئی. حافظ ابن کثیر کے بقول: ''ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے عوام الناس کی بہت بڑی بھیڑ اکٹھا ہوگئی تھی جن میں سرکاری سطح پر قضاۃ اور اعیان اور عوامی سطح پر اتقیاء وصلحاء خاص طور پر شامل تھے اور ان کے جنازہ کو اٹھانے کے لئے خلقت اُمڈ پڑی تھی'' انہیں دمشق کے ''الباب الصغیر'' نامی قبرستان میں ان کی والدہ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا. اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کی والدہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے.

احادیثِ درود کے رواۃ

سب سے پہلے ہم درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے ان رواۃ کے اسمائے گرامی نقل کر رہے ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھنے سے متعلق احادیث نبوی ﷺ کی روایت کے ذریعہ امت مسلمہ پر فلاح و سعادت کا ایک اہم راز منکشف کیا.

۱. ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری (بدری صحابی ہیں)
۲. کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ
۳. ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ
۴. ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ
۵. طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
۶. زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (ابن خارجہ کے نام سے بھی موسوم ہیں)
۷. علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۸. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
۹. بُریدہ بن حُصیب رضی اللہ عنہ
۱۰. سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ
۱۱. ابن مسعود رضی اللہ عنہما
۱۲. فضالہ بن عُبید رضی اللہ عنہ
۱۳. ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ
۱۴. انس بن مالک رضی اللہ عنہ
۱۵. عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
۱۶. عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
۱۷. عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
۱۸. ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۱۹. اوس بن اوس رضی اللہ عنہ

۲۰. حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما
۲۱. حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما
۲۲. فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ
۲۳. براء بن عازب رضی اللہ عنہ
۲۴. رُویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ
۲۵. جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۲۶. ابورافع رضی اللہ عنہ (رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام)
۲۷. عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ
۲۸. ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ
۲۹. عبدالرحمٰن بن بشیر بن مسعود رضی اللہ عنہ
۳۰. ابوبُردہ بن نیار رضی اللہ عنہ
۳۱. عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۳۲. جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ
۳۳. ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ
۳۴. مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ
۳۵. عبداللہ بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ
۳۶. عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
۳۷. ابوذر رضی اللہ عنہ
۳۸. وائلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ
۳۹. ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۴۰. عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما
۴۱. سعید بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ (اپنے والد اور بدری صحابہ عمیر کے حوالہ سے)
۴۲. حِبّان بن منقذ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

کلماتِ درود کی تعیین زبان نبوت سے

(۱) ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع پر) ہم لوگ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لائے تو صحابی رسول اللہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہمیں بتائیے کہ کس طرح درود پڑھا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سلام کے الفاظ تو تم جانتے ہی ہو، درود کے لئے یہ کلمات کہا کرو: "اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم[۱]" ابن خزیمہ سے منقول روایت میں بشیر کے سوالیہ جملہ میں ان چند الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ "فكيف نصلي عليك إذا نحن صلينا في صلاتنا؟" یعنی ہم لوگ حالت نماز میں کس طرح آپ ﷺ پر درود پڑھا کریں؟

(۲) ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مجلس نبوی ﷺ میں تھے کہ ایک شخص[۲] آپ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور سوال کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! سلام کہنے کا طریقہ ہمیں معلوم ہے لیکن ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھا کریں خصوصاً اس وقت جب ہم حالت نماز میں ہوں؟ راوی کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سوال سن کر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی اختیار کر لی تو ہم لوگوں کی خواہش ہوئی کہ یہ شخص سوال نہ کرتا تو اچھا ہوتا، تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ یوں گویا ہوئے: جب تم لوگ میرے لئے درود پڑھو تو یہ الفاظ کہو: "اللهم صلّ على محمّد النبيِّ الأميِّ وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم".[۳]

---

(۱) مسند احمد (۵/ ۲۷۴) صحیح مسلم (۴۰۵) سنن نسائی (۳/ ۴۵-۴۶) سنن ترمذی (۳۲۲۰) امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ سنن ابی داؤد (۹۸۰-۹۸۱) موطا امام مالک (۱/ ۱۶۵-۱۶۶)

(۲) وہ صحابی رسول اللہ ﷺ بشیر بن سعد ہیں۔

(۳) مسند احمد (۴/ ۱۱۹) مستدرک حاکم (۱/ ۲۶۸) حاکم نے حدیث کو امام مسلم کی شرط کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے شیخین نے اس حدیث کو ذکر نہیں کیا ہے اور امام ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے، یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ میں مذکور ہے۔

(۳) عبد الرحمٰن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ (ایک دن) کعب بن عجرۃ سے میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ کیا میں تمہیں ایک تحفہ پیش نہ کروں؟ (اور وہ یہ ہے کہ ایک دن اچانک) رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے لئے سلام کے کلمات تو ہمیں معلوم ہیں لیکن یہ بتائیے کہ ہم درود کے کلمات کس طرح ادا کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات کہا کرو "اللهم صلِّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد". (۱)

(۴) ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پر درود کن الفاظ میں پڑھا کریں؟ تو ارشاد ہوا کہ اس طرح کہا کرو " اللهم صلِّ

---

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری (۱۱/ ۶۳۵۷) صحیح مسلم (۴۰۶) الفاظ حدیث صحیح مسلم کے ہیں. صحیح بخاری میں دوسرے الفاظ کے ساتھ عبد اللہ بن عیسیٰ بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی سند سے روایت اس طرح مذکور ہے: راوی کہتے ہیں کہ کعب بن عجرۃ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ کیا میں تمہیں بھی وہ تحفہ پیش نہ کروں جسے میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے؟ راوی کا قول ہے کہ میں نے کہا کیوں نہیں مجھے بھی وہ تحفہ رسول اللہ ﷺ عنایت کیجئے تو کعب بن عجرۃ نے کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ اللہ نے ہمیں آپ ﷺ پر سلام کہنے کے کلمات سکھا دیئے ہیں، لیکن ہم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت پر درود کے لئے کون سے کلمات ادا کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس طرح کہا کرو: "اللهم صلِّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد" (دیکھئے فتح الباری: ۱۱/ ۳۳۷۰) حدیث مذکور میں "صلاۃ" اور "برکۃ" دونوں کے ضمن میں لفظ "ابراہیم" اور لفظ "آل ابراہیم" کا ایک ساتھ تذکرہ ہے. اس لئے مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ کے اس قول کو سہو پر محمول کیا جائے گا جس میں انہوں نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ: کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں ہے جس میں مشبہ بہ کے طور پر لفظ "ابراہیم اور آل ابراہیم" ایک ساتھ مذکور ہوں جب کہ بیشتر صحیح و حسن احادیث میں اللہ کے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کا ایک ساتھ ذکر ہے بر خلاف مشبہ بہ "ابراہیم اور آل ابراہیم" کے کہ جہاں پر لفظ "ابراہیم" ہے وہاں لفظ "آل ابراہیم" نہیں ہے اور جہاں لفظ "آل ابراہیم" آیا ہے وہاں لفظ "ابراہیم" مذکور نہیں ہے. مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فتح الباری: ۱۱/ ۱۵۸-۱۵۹)

على محمد وأزواجه وذريته كما صليت على آل إبراهيم وبارك على محمد وأزواجه وذريته كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد" (۱).

(۵) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک موقع پر) ہم لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کے لئے سلام کے الفاظ ہمارے لئے معروف ہیں، لیکن آپ ﷺ کے لئے درود کے الفاظ کیا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہا کرو: "اللهم صلّ على محمد عبدك ورسولك كما صليت على إبراهيم، وبارك على محمد وآل محمد كما باركت على آل إبراهيم" (۲).

(۶) طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پر کس طرح درود پڑھنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کہا کرو: "اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم إنك حميد مجيد، وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد".

مذکورہ روایت سنن نسائی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے ایک شخص اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم آپ ﷺ پر کس طرح درود پڑھا کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح پڑھا کرو: "اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم إنك حميد مجيد، وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم إنك حميد مجيد" (۳).

(۷) زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ (۴) کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: درود پڑھا کرو اور دعا میں جہد و

---

(۱) دیکھئے صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۱/۶۰ ۶۳۶۰)، صحیح مسلم (۴۰۷)، سنن ابی داؤد (۹۷۹)، سنن نسائی (۳/۴۹)، سنن ابن ماجہ (۹۰۵)

(۲) ملاحظہ ہو صحیح بخاری مع فتح الباری (۱۱/۵۸ ۶۳۵۸)، سنن نسائی (۳/۴۹) سنن ابن ماجہ (۹۰۳)

(۳) مسند احمد: (۱/۱۶۲)، سنن نسائی (۳/۴۸)، حدیث کی سند درجہ حسن کو پہنچتی ہے۔

(۴) راوی کا پورا نام زید بن خارجہ ابی زہیر خزرجی ہے، ایمان و عزیمت کی نا قابل فراموش تاریخ رقم کرنے والے شرکائے معرکۂ بدر میں سے ہیں، خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی. (دیکھئے اصابہ (۱/۷ ۵۴) اور امام ابن قیم کی جلاء الافہام (ص ۱۳)

سعی کیا کرو، تم درود اس طرح پڑھا کرو: ’’اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد‘‘[(۱)] .

(۸) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ پر جب درود پڑھا کرو تو بہت اچھے الفاظ و انداز میں پڑھو، اس لئے کہ تمہیں علم نہیں کہ شاید اسے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پیش کر دیا جائے۔ راوی کا بیان ہے: لوگوں نے ان سے کہا کہ ہمیں درود پڑھنے کے بہترین الفاظ و انداز بتائیے؟ تو انہوں نے اس طرح درود پڑھنے کو کہا: ’’اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على سيد المرسلين وإمام المتقين وخاتم النبين محمد عبدك ورسولك، إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة، اللهم ابعثه مقاماً محموداً يغبطه به الأولون والآخرون، اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد‘‘[(۲)] .

(اے اللہ! تو اپنی مہربانیاں، رحمتیں اور برکتیں نازل فرما، انبیاء و رسل کے سردار، متقیوں کے امام، سلسلۂ نبوت کے خاتم، خیر و صلاح کے امام و قائد، رسول رحمت اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر، اے اللہ تو انہیں وہ مقام محمود عطا فرما جس کی وجہ سے ان پر اگلے پچھلے سب رشک کریں۔ اے اللہ تو اپنی رحمت نازل کر محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے رحمت نازل کی اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر بیشک تو نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے، اے اللہ تو برکت نازل کر محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے اپنی برکتیں نازل کیں اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر بیشک تو نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔)

---

(۱) مسند احمد: (۱/ ۱۹۹) سنن نسائی (۳/ ۴۹) فضل الصلاۃ علی النبی مؤلفہ اسماعیل بن اسحاق قاضی (ص ۶۹) محقق حدیث شعیب ارناؤوط اور عبد القادر ارناؤوط نے حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) سنن ابن ماجہ: (۶-۹) بوصیری نے ’’زوائد‘‘ میں سند کے تمام رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے سوائے مسعودی کے جن کا حافظہ اخیر عمر میں خراب ہو گیا تھا۔

(۹) عبد الرحمٰن بن بشیر بن مسعود رضی اللہ عنہما[۱] راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع پر) آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے ہم لوگوں کو اپنی ذات رسالت مآب پر سلام و صلاۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے. ہمیں سلام کے الفاظ تو معلوم ہیں لیکن بتایئے کہ آپ ﷺ پر صلاۃ (درود) کے لئے کون سے الفاظ استعمال کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کہا کرو: "اللهم صلّ على آل محمد كما صليت على آل إبراهيم، اللهم بارك على آل محمد كما باركت على آل إبراهيم[۲]".

☆☆☆

(۱) عبد الرحمٰن بن بشیر رضی اللہ عنہما کو امام بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے تابعین میں ذکر کیا ہے، لیکن امام ابن قیم کے بقول "ان کا شمار صحابہ کرام میں ہوتا ہے" دیکھئے جلاء الأفہام (ص ۶۵)

(۲) دیکھئے اسماعیل بن اسحاق قاضی کی کتاب فضل الصلاۃ علی النبی: (ص-۷۱)، علامہ البانی نے حدیث کی تخریج کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی سند میں ارسال کے باوجود وہ صحیح ہے اور اس کے تمام رواۃ امام مسلم کے رواۃ میں شامل ہیں.

اوقات و مقاماتِ درود احادیث اور اقوالِ صحابہ و تابعین کی روشنی میں

(۱) آخری تشہد[(۱)] (قعدہ اخیرہ) میں

ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم لوگ سعد بن عبادہ کی مجلس میں تھے، آپ ﷺ بھی وہاں تشریف لائے تو صحابی رسول ﷺ بشیر بن سعد نے عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو بتائیے کہ کس طرح درود پڑھا کریں؟". آپ ﷺ نے فرمایا: سلام کے کلمات تو تم جانتے ہی ہو درود کے لئے یہ کلمات کہا کرو:

"اللهم صلّ على محمد وعلىآل محمد كما صليت علىآل إبراهيم، وبارك علىمحمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم،[(۲)]" ابن خزیمہ سے منقول روایت میں بشیر کے سوالیہ جملہ میں ان چند الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ (فكيف نصلي عليك إذانحن صلينا فى صلاتنا) "ہم لوگ حالت نماز میں کس طرح آپ ﷺ پر درود پڑھا کریں؟".

فضالہ بن عُبید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو حالت نماز میں دعا

---

(۱) نبی اکرم ﷺ پر (مختلف مقامات و مواقع پر) درود کا پڑھنا واجب ہے یا مستحب اس سلسلہ میں مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ نے علمائے کرام کے طویل اختلافات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے. چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ درود پڑھنے کا ایک اہم اور ضروری موقع نماز کا آخری تشہد (قعدہ اخیرہ) ہے. چنانچہ آخری تشہد میں درود پڑھنے کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، لیکن اس موقع پر اس کے وجوب یا عدم وجوب میں علماء و فقہاء کا اختلاف ہے. علماء کی ایک جماعت جن میں طحاوی، قاضی عیاض اور خطابی شامل ہیں اس کے عدم وجوب کے قائل ہیں، اور جس نے اسے واجب کہا ہے ان کی رائے کو اجماع کی مخالفت پر محمول کیا ہے اور شاذ قرار دیا ہے. سوائے امام شافعی کے فقہائے کرام کی جماعت کی بھی یہی رائے ہے. امام شافعی سے قبل کسی نے اسے واجب کہا ہے یا نہیں اس کا پتہ نہیں چلتا. ابن منذر نے بھی اس معاملہ میں امام شافعی کا تفرد نقل کیا ہے اور اس موقع پر درود کے عدم وجوب کو ترجیح دی ہے. دیکھئے جلاء الأفہام: ص (۲۶۳-۲۹۳)

(۲) مسند احمد (۵/ ۲۷۴)، صحیح مسلم (۴۰۵)، سنن نسائی (۳/ ۴۵-۴۶)، سنن ترمذی (۳۲۲۰)، ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے. سنن ابی داؤد (۹۸۰-۹۸۱)، موطا امام مالک (۱/ ۱۶۵-۱۶۶).

کرتے ہوئے سنا جس میں اس نے نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس آدمی نے جلد بازی سے کام لیا"۔ پھر اس کو بلایا اور اس سے یا کسی اور سے فرمایا: "نماز کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف سے ہونی چاہیئے پھر نبی ﷺ پر درود پڑھنا چاہیۓ اس کے بعد تم جو چاہو دعا کرو"(۱)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے مرفوعاً نبی ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "قراءت، تشہد (تحیات) اور میرے اوپر درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے"(۲)۔

(۲) نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد

ابو امامہ (۳) بن سہل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک صحابیؓ رسول ﷺ نے انہیں بتایا کہ نماز جنازہ میں مسنون (۴) یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور پہلی تکبیر کے بعد سراً سورہ فاتحہ پڑھے، پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے اور میت کے لئے توجہ و اخلاص کے ساتھ بعد کی تکبیرات میں دعا کرے اور کچھ نہ پڑھے، پھر سری طور پر سلام پھیر لے (۵)۔

---

(۱) سنن ابی داؤد (۱۴۸۱)، سنن ترمذی (۳۴۷۷)، امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ سنن نسائی (۳/ ۴۴)، مسند احمد (۶/ ۱۸)، مستدرک حاکم (۱/ ۲۳۰) حاکم کا قول ہے کہ حدیث مسلم کی شرط کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن صحیحین میں مذکور نہیں امام ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر کے بقول "اس روایت کو عمری نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے (بحوالہ فتح الباری ۱۱/ ۱۶۹)

(۳) امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول ابو امامہ صغار صحابہ میں سے ہیں (جلاء الأفہام: ۲۹۲) انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے احادیث روایت کی ہے چنانچہ یونس، ابن شہاب کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف گروہ انصار کے صغار صحابہ اور ان کے علماء میں سے ہیں نیز ان کے آباء واجداد معرکۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ انہوں نے نماز جنازہ کے بارے میں متعدد صحابہ کرام سے سن کر ہمیں بتایا کہ "امام تکبیر کہے گا پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے گا...... إلی آخر الحدیث۔

(۴) لفظ مسنون کی وضاحت میں ابن کثیر کا قول یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق صحابی کی یہ بات خبر مرفوع کے حکم میں ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۵۲۱)

(۵) امام شافعی کی "الأم"، (۱/ ۲۳۹-۲۴۰)، مستدرک حاکم (۱/ ۳۶۰) حاکم کے بقول حدیث شیخین کی شرط کے =

جلیل القدر تابعی و محدث سعید بن مسیب کے بقول "نماز جنازہ میں مسنون یہ ہے کہ پہلے سورۂ فاتحہ (پڑھی جائے) پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد میت کے لئے توجہ و اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے اور یہ سب کچھ صرف ایک ایک مرتبہ پڑھنا مسنون ہے پھر خاموشی سے سلام پھیرنا چاہئے"(۱).

ابوسعید مقبری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے صحابی رسول ﷺ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "نماز جنازہ کس طرح ادا کرنی چاہئے؟" تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں تم کو اس کا طریقہ بتاؤں گا اس لئے کہ میں نماز جنازہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ شریک ہوا ہوں جو سند کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے تو میں اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہوں (اللہ اکبر کہتا ہوں) پھر اس کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں (سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں) اس کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتا ہوں، پھر میں میت کے حق میں اس طرح دعا کرتا ہوں (اللهم إنه عبدك و ابن عبدك وابن أمتك، كان يشهد أن لا إله إلا أنت، وأن محمداً عبدك ورسولك، وأنت أعلم به، اللهم إن كان محسنا فزد في إحسانه، وإن كان مسيئا فتجاوز عن سيئاته، اللهم لاتحرمنا أجره و لاتفتنا بعده)(۲) "اے اللہ یہ تیرا ہی بندہ ہے، تیرے ہی ایک بندہ اور ایک بندی کی اولاد ہے، تیرا یہ بندہ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ تیرے ہی بندہ اور رسول ہیں، ان باتوں کو تو زیادہ جاننے والا ہے. اے اللہ اگر تیرا یہ بندہ نیکو کار تھا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دے اور اگر یہ خطاکار تھا تو اس کے گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ تو اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال".

=اعتبار سے صحیح ہے لیکن صحیحین میں مذکور نہیں ہے، امام ذھبی نے ان کی تائید کی ہے. علاوہ ازیں مذکورہ روایت بیہقی کی السنن الکبری (۴/۳۹-۴۰) اور سنن نسائی (۴/۷۵) میں اختصار کے ساتھ نقل کی گئی ہے.

(۱) فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ مؤلفہ اسماعیل بن اسحاق قاضی (ص ۷۹) کتاب کے مخرج علامہ البانی نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، حاکم نے مستدرک (۱/۳۶۰) میں اسے ذکر کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور امام ذھبی نے ان کی تائید کی ہے.

(۲) مصنف عبد الرزاق (۶۴۲۵)، فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۹۳) اس روایت کو ہیثمی نے "المجمع" (۳/۳۳) میں ذکر کر کے اسے ابو یعلی کی جانب منسوب کیا ہے. اور اس کے رواۃ کو صحیح حدیث کے رواۃ کے مماثل قرار دیا ہے.

(۳) جمعہ اور عیدین وغیرہ کے خطبہ میں

عون بن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد علی رضی اللہ عنہ کے پہرہ داروں میں سے تھے۔ ایک دن انہوں نے منبر کے بالکل قریب سے علی کا خطبہ سنا اور مجھ سے بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر نبی آخر الزمان ﷺ پر درود پڑھا اور فرمایا: ''ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اللہ کے آخری نبی ﷺ کے بعد اس امت کے بہترین افراد تھے'' اور کہا: ''اللہ جہاں چاہتا ہے خیر کا ظہور فرماتا ہے''(۱)۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خطبہ نماز میں حمد و صلاۃ کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے (اللهم حبّب إلينا الإيمان وزينه في قلوبنا وكرّه إلينا الكفر والفسوق والعصيان، أولئك هم الراشدون، اللهم بارك لنا في أسماعنا وأبصارنا وأزواجنا و قلوبنا و ذرياتنا) ''اے اللہ ایمان کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے اور نور ایمان سے ہمارے قلوب کو منور و مزین کر دے اور ہمیں کفر و فسق اور معصیت کو ناپسند کرنے والا بنا دے، کیونکہ ایسے ہی لوگ رشد و ہدایت سے سرفراز ہیں۔ اے اللہ تو ہماری قوت سماعت، قوت بصارت، قلوب اور اہل و عیال میں برکت عطا کر''۔

(۴) اذان کے بعد

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے زبان نبوت سے یہ حدیث سنی تھی ''جب اذان پکاری جائے تو تم مؤذن کے مثل اذان کے کلمات کو دہراؤ پھر میرے اوپر درود پڑھو اس لئے کہ جو میرے اوپر ایک بار درود پڑھتا ہے تو اس کے بدلے اللہ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ (مقام محمود) طلب کرو، کیونکہ وسیلہ جنت میں

---

(۱) مسند احمد (۱/۱۰۶) میں محقق حدیث احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور محقق شعیب و عبد القادر ارناؤوط نے جلاء الأفہام کی تحقیق میں کہا ہے کہ اس روایت کو عبد اللہ بن امام احمد نے بھی اپنی زوائد (۱/۱۰۶) میں ذکر کیا ہے جس کی سند درجہ حسن کو پہنچتی ہے۔

ایک ایسا مقام ہے جس سے اللہ کا کوئی ایک بندہ نوازا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا چنانچہ جس نے بھی میرے لئے اللہ سے "وسیلہ" (مقام محمود) طلب کیا وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا"(١).

(۵) دعا کے وقت

اس کی تین صورتیں ہیں:

١. اللہ تعالیٰ کے حمد و ثنا کے بعد اور دعا سے قبل درود پڑھے۔

٢. دعا کی ابتداء، وسط اور اخیر میں درود پڑھے۔

٣. دعا سے پہلے اور دعا کے بعد درود پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتوں کے متعلق دونوں درودوں کے درمیان سوال کرے۔

پہلی صورت کی دلیل فضالہ بن عبید سے مروی حدیث ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا جس میں اس نے نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھا تو آپ ﷺ فرمایا: "اس آدمی نے جلدی کی،، پھر اس کو بلایا اور اس سے یا کسی اور سے فرمایا کہ "نماز کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف سے ہونی چاہئے پھر نبی ﷺ پر درود پڑھنا چاہئے اس کے بعد تم جو چاہو دعا کرو"(٢).

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نماز پڑھ رہا تھا، وہاں پر نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکر اور عمر بھی تھے، چنانچہ جب میں (قعدہ اخیرہ) میں بیٹھا تو میں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا اس کے بعد اپنے لئے دعا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مانگو تمہیں دیا جائے گا، مانگو تمہیں دیا جائے گا"(٣). (یعنی تمہاری دعا قبول ہو گی)

---

(١) صحیح مسلم (٣٨٤)

(٢) اس حدیث کی تخریج صفحہ (١٨) پر گزر چکی ہے۔

(٣) سنن ترمذی (٥٩٣)، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور جامع الأصول کے محقق نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت روائی کے لئے دست بدعا ہو تو وہ سب سے پہلے اس ذات پاک کی اس کے شایان شان حمد و ثنا بیان کرے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجے پھر اپنی حاجت برآری کے لئے اللہ سے سوال کرے، ایسا کرنے والا اپنی دعا کی قبولیت کا زیادہ حقدار ہے"(۱).

علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو جب تک وہ نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجے اس کی دعا اور قبولیت کے درمیان ایک پردہ حائل ہوتا ہے، چنانچہ جب وہ اللہ کے نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہے تو حجاب اٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کر لیتا ہے۔ اور اگر دعا میں سرے سے درود پڑھے ہی نہیں تو اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی"(۲).

مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، مذکورہ بالا تمام مواقع پر دعا کے آغاز سے قبل نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا مشروع ہے اسی لئے ان تمام مواقع پر اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجنا دعاؤں کی کنجی قرار پائی ہے، جیسے کہ طہارت و پاکیزگی کو نماز کی کنجی کہا گیا ہے اور دعاؤں میں نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی وہی اہمیت و افادیت ہے جو نماز میں سورۃ فاتحہ کی ہے۔ فصلی اللہ علیه وعلی آله وسلم تسلیمًا.

احمد بن ابی حواری کا قول ہے کہ میں نے ابو سلیمان دارانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "جو شخص اپنے

---

(۱) اس کی سند کے تمام رواۃ کے ثقہ ہونے کے باوجود اس پر انقطاع کا حکم لگایا گیا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے: جلاء الأفہام (ص ۳۰۷).

(۲) منذری نے الترغیب والترہیب (۱۶۵/۳) میں علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دعا اور اس کی قبولیت کے درمیان پردہ ہوتا ہے جب تک کہ درود نہ پڑھا جائے۔ طبرانی نے اوسط میں اسے موقوفاً نقل کیا ہے، اس کے رواۃ ثقہ ہیں، بعض لوگوں نے مرفوعاً بھی نقل کیا ہے، لیکن موقوفاً زیادہ صحیح ہے۔ ہیثمی نے "مجمع" (۱۶۰/۱۰) میں اسے نقل کرنے کے بعد اس کے رواۃ کی توثیق کی ہے۔ امام ترمذی نے عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ "دعا میں جب تک نبی اکرم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے، اس کا کوئی حصہ آگے نہیں جاتا"۔ لیکن اس کی سند میں ابو قرۃ اسد نامی راوی مجہول ہے۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ اس کی شاہد کے طور پر حسن بن عرفہ کی سند سے ایک مرفوع روایت آئی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۶۹/۱۱)

پروردگار کے سامنے اپنی حاجت برآری کے لئے دست سوال دراز کرے تو اسے سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا چاہیئے پھر اپنے رب کے سامنے اپنی حاجت کو رکھنا چاہیئے اور دعا کے اختتام پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہیئے، اس لئے کہ درود کی مقبولیت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی کریم و مہربان ذات سے یہ توقع بعید تر ہے کہ وہ دونوں درودوں کو تو قبول کرلے اور بیچ کی دعاؤں کو قبول نہ کرے۔

(٦) مسجد کے اندر داخل ہوتے وقت اور اس سے باہر نکلتے وقت

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو اللہ کے نبی ﷺ پر سلام بھیجو اور یہ دعا پڑھو (اللهم افتح لي أبواب رحمتك) "اے اللہ مجھ پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے" اور جب کوئی مسجد سے باہر نکلے تو اپنے نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ دعا پڑھے (اللهم أجرني من الشيطان الرجيم)[١] "اے اللہ تو ہمیں شیطان مردود سے بچا"

مسند احمد، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے اپنی نانی فاطمہ زہرا سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے "اللهم صلِّ على محمد وسلم، اللهم اغفرلي ذنوبي، وافتح لي أبواب رحمتك" اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو یہی دعا پڑھتے تھے البتہ اخیر میں (أبواب فضلك) کہا کرتے تھے۔ ترمذی میں منقول روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ (كان إذادخل رسول الله صلى الله عليه وسلم المسجد، صلى على محمد وسلم"[٢].

---

(١) ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں (۴۵۲) اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح (۳۲۱) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور معروف محقق حدیث شعیب اور عبدالقادر ارناؤوط نے ان دونوں کی تائید کی ہے۔

(٢) سنن ابی داؤد (۴۶۵) سنن ترمذی (۳۰۴) سنن ابن ماجہ (۷۷۱) ابن سنی کی عمل الیوم واللیلۃ (۸۷) حافظ ابن حجر کے بقول حدیث مذکور کی سند گرچہ ثقات رواۃ پر مشتمل ہے، لیکن اس میں انقطاع ہے اور محقق حدیث شعیب و عبدالقادر ارناؤوط نے اس کے شواہد کا اعتبار کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۷) صفا اور مروہ پر

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کوہ صفا پر پہنچ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بعد اللہ کی حمد وثنا ان الفاظ میں بیان کرتے تھے(لا إله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد و هو على كل شئ قدير) پھر درود پڑھنے کے بعد دعائیں مانگتے اور وہاں پر بہت دیر تک قیام کرتے اور دعا کرتے تھے. اسی طرح مروہ پر بھی کیا کرتے تھے. یہ عمل بھی مقبولیتِ دعا کے لوازمات میں سے ہے"(۱).

وھب بن اجدع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خطبہ کے دوران یہ کہتے ہوئے سنا: "جب کوئی حج کے لئے مکہ آئے تو اسے پہلے بیت اللہ کا طواف کرنا چاہئے پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرنی چاہئے، پھر حجر اسود کا استلام کرنا چاہئے، پھر اسے سعی کا آغاز صفا سے کرنا چاہئے جہاں پر سب سے پہلے اسے بیت اللہ کی جانب رخ کر کے سات تکبیریں پڑھنی چاہئیں، اور ہر تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہئے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا چاہئے اور پھر اپنے لئے دعا کرنی چاہئے. یہی عمل اسے مروہ پر بھی دہرانا چاہئے"(۲).

(۸) مجلس میں اجتماع کے وقت اور اس کے اختتام سے قبل

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جب لوگ کہیں اکٹھے ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر اور نبی ﷺ پر درود پڑھے بغیر منتشر ہو جاتے ہیں تو گویا کہ وہ لوگ مردار کے تعفن اور بدبو کے پاس سے اٹھتے ہیں"(۳).

---

(۱) فضل الصلاۃ علی النبی (۸۷) علامہ البانی نے حدیث کی سند کو متصل اور صحیح قرار دیا ہے.

(۲) فضل الصلاۃ علی النبی (۷۱) حافظ ابن کثیر کے بقول مذکورہ روایت کی سند جید، حسن اور قوی ہے (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۳/۳ ۵۴۳).

(۳) ابو داؤد طیالسی نے مسند (۱۷۵۶) میں بیہقی نے شعب الایمان میں اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اسے نقل کیا ہے. امام نسائی کی کتاب عمل الیوم واللیلہ (۴۱۱) میں یہ الفاظ منقول ہیں "ما جلس قوم مجلساً ثم تفرقوا عن=

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جب لوگ کہیں بیٹھتے ہیں اور اللہ کے ذکر اور نبی ﷺ پر درود پڑھے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو (قیامت کے دن) ایسے لوگ حسرت ویاس کی کیفیت میں مبتلا ہوں گے. اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انہیں مبتلائے عذاب کرے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا"(۱).

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو لوگ اپنی مجلسوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور اپنے نبی ﷺ پر درود نہیں بھیجتے تو ایسے لوگ قیامت کے دن حسرت ویاس کی کیفیت میں مبتلا ہوں گے، چاہے وہ اپنے ثواب کی وجہ سے جنت میں داخلہ کے مستحق ہی کیوں نہ ٹھہریں"(۲).

(۹) نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک آنے پر

انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کسی کے پاس میرا تذکرہ آئے تو اسے میرے اوپر درود بھیجنا چاہئے، اس لئے کہ جو ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ اس پر اپنی دس رحمتوں کا نزول فرماتا ہے"(۳).

=غیرصلاة علی النبي صلی الله علیه وسلم إلا تفرقوا علی أنتن من ریح الجیفة" (جو لوگ جب کہیں بیٹھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے بغیر منتشر ہو جاتے ہیں تو گویا وہ مردار کی بدبو کے تعفن کے پاس سے اٹھتے ہیں) امام ابن قیم کے بقول ابو عبداللہ ضیاء مقدسی نے کہا ہے کہ یہ روایت میرے نزدیک مسلم کی شرط پر ہے. جلاء الأفہام (۷۸). علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے. (دیکھئے صحیح الجامع الصغیر (۵۳۸۲)

(۱) مسند احمد (۲/۴۴۶، ۴۵۳، ۴۸۱، ۴۸۴، ۴۹۵)، سنن ترمذی (۳۳۸۰) ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے. مستدرک حاکم (۱/۴۹۶)، فضل الصلاۃ علی النبی (۵۱) علامہ البانی نے بھی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے. (دیکھئے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۷۴) نیز جامع الاصول (۴/۴۷۲) کے حاشیہ میں محقق عبدالقادر ارناؤوط نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے).

(۲) مسند احمد (۲/۴۶۳)، صحیح ابن حبان بحوالہ موارد الظمآن (۲۳۲۲)، مستدرک حاکم (۱/۴۹۲) فضل الصلاۃ علی النبی (۵۲-۵۳) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۷۹) میں کہا ہے کہ اس کو امام احمد نے بھی نقل کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ میں شامل ہیں. حدیث مذکور کو علامہ البانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے. (دیکھئے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۷۶) اور صحیح الجامع الصغیر (۷۵۰۰).

(۳) دیکھئے امام نسائی کی عمل الیوم واللیلہ (۶۰)، ابن سنی کی عمل الیوم واللیلہ (۳۸۳) اور امام بخاری کی الأدب =

کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں منبر کے پاس جمع ہونے کا حکم دیا، جب ہم منبر کے پاس جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے اس کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور کہا "آمین" پھر دوسرے زینہ پر قدم رکھا اور کہا "آمین" اسی طرح تیسرے زینہ پر قدم رکھنے کے بعد بھی "آمین" کہا. جب (خطبہ کے بعد) آپ ﷺ منبر سے اترے تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہم لوگوں نے آپ ﷺ کی زبان سے ایک ایسی بات سنی جو اس سے قبل سننے میں نہیں آئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس وقت میرے سامنے جبرئیل نمودار ہوئے اور انہوں نے کہا کہ "دور ہو وہ شخص جس نے رمضان جیسا بابرکت مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہو سکی" تو میں نے آمین کہا. پھر جب میں نے دوسرے زینہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ "دور ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا تذکرہ آئے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے" میں نے (ان کی اس بددعا پر بھی) آمین کہا. جب میں نے تیسرے زینہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: "دور ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین کو ضعف و بڑھاپے کے ایام میں پایا اور وہ دونوں اسے جنت میں داخل نہ کرا سکے (یعنی وہ شخص اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کر کے خود کو جنت کا مستحق نہیں بنا سکا) میں نے جبرئیل کی اس تیسری بددعا پر بھی آمین کہا". (۱)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی ناک خاک آلود (۲) ہو جس کے پاس میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کی زندگی میں رمضان کا مبارک مہینہ آئے اور گزر جائے لیکن اس کی مغفرت نہ ہو سکے. اور اس شخص کی

= المفرد (۶۴۳)، امام نووی نے اپنی کتاب "الأذکار" (ص ۱۴۵) میں سند کو جید قرار دیا ہے. اور امام ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الأفہام (ص ۲۹۵) میں سند کو صحیح قرار دیا ہے.

(۱) مستدرک حاکم (۴/ ۱۵۳-۱۵۴) حاکم کے بقول حدیث کی سند صحیح ہے اور شیخین نے اسے ذکر نہیں کیا ہے، امام ذھبی نے ان کی تائید کی ہے.

(۲) حدیث میں "رغم" کا لفظ آیا ہے. حافظ منذری نے اس کا معنی "خاک آلود ہونا" کیا ہے اور ابن الأعرابی نے اس کا معنی "ذلیل وخوار ہونا" کیا ہے. (دیکھئے الترغیب والترھیب (۲/ ۵۰۸)

ناک بھی خاک آلود ہو جو اپنے والدین کو بڑھاپے میں پائے اور وہ دونوں اسے جنت میں داخل نہ کرا سکیں"۔ (۱)

حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "بخیل ہے وہ شخص جس کی موجودگی میں میرا تذکرہ آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"۔ (۲)

(۱۰) دن کے آغاز و اختتام پر

ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے صبح و شام دس دس بار مجھ پر درود بھیجا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حقدار ہو گیا"۔ (۳)

(۱۱) قبرِ رسول اللہ ﷺ کے پاس

عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو (ایک موقع پر) دیکھا کہ وہ قبر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے ہیں، آپ ﷺ پر درود پڑھ رہے ہیں اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کر رہے ہیں"۔ (۴)

(۱۲) بازار میں اور کھانے پینے کی دعوت میں

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ مجھ سے ابو سعید بن یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، ان سے محمد بن بشر

---

(۱) سنن ترمذی (۳۵۳۹) امام ترمذی نے حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ فضل الصلاۃ علی النبی (۳۱)، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے (دیکھئے صحیح الجامع (۳۵۰۴)۔

(۲) سنن ترمذی (۳۵۴۶)، امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ یہ روایت مسند احمد (۱/۲۰۱) میں بھی مذکور ہے۔

(۳) حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے دو سندوں سے نقل کیا ہے جن میں سے ایک جید ہے اور اس کے رواۃ موثوق بہم ہیں (دیکھئے مجمع الزوائد (۱۰/۱۲۰)، علامہ البانی نے بھی حدیث کو حسن کہا ہے۔ (دیکھئے صحیح الجامع الصغیر: ۶۲۳۳۔)

(۴) مؤطا امام مالک (۱/۱۶۶)، جلاء الافہام (ص۲۲۸) کے محقق شعیب و عبدالقادر ارناؤوط کے بقول اس کی سند موقوف لیکن صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی فضل الصلاۃ علی النبی کی تخریج میں سند کو موقوف اور صحیح کہا ہے۔

نے ان سے مسعر نے، ان سے عامر بن شقیق نے اور انہوں نے ابو وائل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "عبداللہ رضی اللہ عنہ جب بھی کسی دعوت یا جنازہ میں شریک ہوئے یا کسی اور موقع پر شریک مجلس ہوئے تو اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے، اللہ کے نبی علیہ پر درود بھیجتے اور دوسری دعائیں پڑھتے تھے، اسی طرح جب وہ بازار کا رخ کرتے، جو ذکر و فکر سے سب سے زیادہ غافل کرنے والی جگہ ہوتی ہے تو وہاں بیٹھتے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے، نبی علیہ پر درود بھیجتے اور دوسری دعائیں پڑھتے تھے". (۱)

(۱۳) نماز عید میں

علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ،ابن مسعود، ابو موسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید سے چند ایام پیشتر ان کے پاس ولید بن عقبہ آئے اور کہنے لگے کہ عید قریب آچکی ہے لہذا یہ بتایئے کہ اس موقع پر تکبیر کب اور کس طرح پڑھی جائے گی؟ ابن مسعود نے جواب دیا کہ "تکبیر تحریمہ سے نماز کا آغاز کرو، پھر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرو، نبی اکرم علیہ پر درود بھیجو پھر دیگر دعائیں پڑھو اس کے بعد پھر تکبیر کہو اور تکبیر تحریمہ کے بعد عمل کو دہراؤ پھر تیسری بار تکبیر کہو اور سابقہ عمل کو دہراؤ پھر تم قراءت کرو، پھر تکبیر کہنے کے بعد رکوع کرو، پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد اللہ کی حمد و ثنا بیان کرو، نبی اکرم علیہ پر درود بھیجو پھر دیگر دعائیں پڑھو، پھر تکبیر کہو اور اپنے سابقہ عمل (اللہ کی حمد و ثنا، نبی علیہ پر درود اور دعاؤں) کو دہراؤ پھر دوسری بار تکبیر کہو اور وہی عمل دہراؤ پھر تیسری بار تکبیر کہو اور سابقہ عمل دہراؤ پھر تم رکوع کرو". ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ طریقۂ نماز عید کو سننے کے بعد حذیفہ اور ابو موسیٰ نے کہا کہ "ابو عبدالرحمٰن نے صحیح کہا". (۲)

(۱۴) جمعہ کے دن اور اس کی رات میں

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول علیہ نے فرمایا: "سب

(۱) سخاوی نے اسے القول البدیع (ص ۲۱۷) میں نقل کیا ہے اور ان کے بقول اسے ابو حاتم اور ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے۔

(۲) فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۷۵-۷۶) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳/۵۲۱) میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن لوگ بیہوش ہوں گے، پس تم لوگ اس دن میرے اوپر کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارے بھیجے ہوئے درود مجھے پیش کئے جائیں گے" راوی کہتے ہیں، صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر درود کیسے پیش کئے جائیں گے جبکہ آپ ﷺ کا جسم بوسیدہ ہو جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسموں میں تصرف کو زمین کے لئے حرام کر دیا ہے۔"(۱)

انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن اور اس کی رات میں کثرت سے میرے اوپر درود بھیجا کرو اس لئے کہ جو ایک مرتبہ میرے اوپر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"۔(۲)

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن میرے لئے کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو اس لئے کہ اس دن کا ہر درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔"(۳)

(۱۵) ختمِ قرآن کے بعد

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ختم قرآن کے بعد کا وقت بھی نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کے

(۱) سنن ابی داؤد (۱۰۴۷)، سنن نسائی (۳/۱۹)، سنن ابن ماجہ (۱۰۸۵، ۱۶۳۶)، مسند احمد (۴/۸)، مستدرک حاکم (۴/۵۶۰)، حاکم نے کہا ہے کہ حدیث شیخین کی شرط کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن صحیحین میں مذکور نہیں ہے، امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور امام نووی نے کہا ہے کہ اس کو امام ابو داؤد نے بھی صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (دیکھئے ریاض الصالحین: ۴۱۳)

(۲) سنن بیہقی (۳/۲۴۹)، علامہ البانی نے اس کو حسن کہا ہے (دیکھئے صحیح الجامع ۱۲۲۰)، انہوں نے اس کے بہت سے شواہد کا بھی ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ: ۱۴۰۷)۔

(۳) مستدرک حاکم (۲/۴۲۱)، حاکم نے حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور بیہقی نے اسے شعب الایمان میں نقل کیا ہے، اس کے شواہد کی بنیاد پر علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (دیکھئے صحیح الجامع الصغیر (۱۲۱۶)، و سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ (۱۵۲۷)۔

مواقع و مقامات میں سے ایک ہے، اس لئے کہ یہ بھی دعا کا ایک اہم موقع و محل ہے اور جب یہ دعا اور اس کی قبولیت کا اہم موقع ہے تو پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا بھی ایک اہم موقع ہے۔ امام احمد نے ختم قرآن کے بعد دعا کو بصراحت جائز قرار دیا ہے، اور ابو حارث کی ایک روایت میں ہے کہ صحابیٔ رسول ﷺ انس رضی اللہ عنہ جب قرآن ختم کرتے تو (دعا کے وقت) اپنے اہل و عیال کو جمع کر لیتے تھے۔ (۱)

(۱۶) قرآن و حدیث میں آپ کے تذکرہ کے وقت

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کوئی نمازی اگر نفل نماز میں ایسی آیت کریمہ تلاوت کرے جس میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو تو اسے محسن انسانیت ﷺ پر درود بھیجنا چاہئے۔ (۲)

ابن سنان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کاروان علوم نبوت کی دو اہم شخصیات عباس عنبری اور علی بن مدینی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "ہمارا یہ معمول رہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہر حدیث کو سننے کے بعد ہم نے آپ ﷺ پر درود بھیجا"۔ (۳)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میرے ایک معتمد دینی بھائی نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ علوم حدیث سے شغف رکھنے والے ایک شخص کو میں نے خواب میں دیکھا تو اس سے میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو انہوں جواب دیا کہ رحم و کرم کا معاملہ کیا، یا یہ کہا کہ میرے گناہوں کو معاف کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ آخر کیونکر؟ تو انہوں نے بتایا کہ جب بھی میں اللہ کے رسول ﷺ کا نام نامی لکھتا تھا تو میں اس کے ساتھ ﷺ لکھنے کا التزام کرتا تھا۔ (۴)

سفیان ثوری کا قول ہے کہ علوم حدیث میں مشغول رہنے والے کو اگر اس عظیم اور اہم مشغولیت سے سوائے رسول اکرم ﷺ کی ذات پر کثرت سے درود بھیجنے کے اور کوئی فائدہ نہ بھی پہنچے تو یہ اس کی کامیابی کے لئے کافی ہے، اس لئے کہ جب تک وہ اس کام میں مشغول ہوتا ہے کثرت کے ساتھ درود بھی پڑھتا رہتا ہے (جو اپنے آپ میں ایک عظیم عمل اور باعث نجات اخروی ہے) اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ذلت والا صفات پر

---

(۱) جلاء الأفہام (ص ۳۳۰-۳۳۱)
(۲) جلاء الأفہام (ص ۳۵۵)
(۳) جلاء الأفہام (ص ۳۳۸)
(۴) جلاء الأفہام (ص ۳۳۷)

رحمت وسلامتی نازل فرمائے.(۱)

(۱۷) رنج و غم، مصیبت و پریشانی اور مغفرت طلب کرنے کے وقت

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ رات کا دو تہائی حصہ گزرنے کے بعد اٹھتے اور کہتے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، آ گیا زلزلہ کا جھٹکا (مراد قیامت ہے) اس کے فوراً بعد دوسرا جھٹکا بھی ہے (جس سے انسانوں کو زندہ کیا جائے گا) موت بھی اپنے لوازمات کے ساتھ آ گئی. موت بھی اپنے لوازمات کے ساتھ آ گئی. صحابی رسول ﷺ ابی کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کثرت کے ساتھ آپ ﷺ پر درود بھیجا کرتا ہوں تو میں اپنے معمولات و وظائف میں سے کتنا وقت آپ ﷺ پر درود کے لئے مختص کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جتنا چاہو“. ابی نے عرض کیا: ایک چوتھائی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اس سے بھی زیادہ پڑھو تو تمہارے لئے بہتر ہے ویسے تم جتنا چاہو“، ابی نے کہا: تو پھر نصف؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس سے بھی زیادہ پڑھو تو تمہارے لئے بہتر ہے ویسے تم جتنا پڑھ سکو“. اس کے بعد ابی نے کہا: پھر دو تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر اس سے بھی زیادہ پڑھ سکو تو تمہارے لئے بہتر ہے ویسے تم جتنا چاہو“، ابی نے کہا: تو پھر میں اپنے وظیفہ میں صرف آپ ﷺ پر درود ہی پڑھا کروں گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تو یہ تمہارے تمام افکار و آلام کی طرف سے کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے“.(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اوراد و اذکار میں صرف درود ہی پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دین و دنیا کے تمام غم و فکر کو دور کر دے گا.

---

(۱) جلاء الأفہام (ص ۳۳۶)

(۲) سنن ترمذی (۲۴۵۷)، امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، مسند احمد (۱۳۶/۵) مستدرک حاکم (۴۲۱/۲) حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور ہیثمی کا بیان ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے نقل کیا ہے اور اس کی سند جید ہے.

(۱۸) شادی کا پیغام دیتے وقت

ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا(٥٦)﴾ (۱) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی تعریف کرتا ہے اور اس کی مغفرت وبخشش کا وعدہ کرتا ہے اور اس نے اپنے فرشتوں کو بھی حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ کے لئے استغفار کریں. چنانچہ فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ مسلمانوں نبی ﷺ پر درود پڑھا کرو. دعاؤں میں، مساجد میں (نمازوں میں) اور ہر جگہ حتی کہ شادی کا پیغام دیتے وقت بھی، لہذا تم اسے بھولنا نہیں.

(۱۹) بغیر کسی تخصیص کے ہر جگہ اور ہر موقع پر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح (ویران جہاں نماز وغیرہ نہ پڑھی جائے) مت بنالو اور میری قبر کو میلہ ٹھیلہ کی جگہ مت بناؤ، ہاں البتہ مجھ پر (کسی جگہ کی تخصیص کئے بغیر) درود بھیجا کرو، اس لئے کہ تم جہاں بھی رہو گے اگر درود بھیجو گے تو وہ مجھے پیش کیا جائے گا (۲)“.

(۲۰) آخری قنوت میں

عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ابو حلیمہ معاذ بن حارث (۳) قنوت میں نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا کرتے تھے. امام ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے: ”رمضان میں قنوت کے درمیان درود پڑھنا مستحب ہے“.

---

(۱) سورۃ الأحزاب: ٥٦

(۲) سنن ابی داود (۲۰۴۲)، مسند احمد (۲/۳۶۷)، حافظ ابن حجر نے ”اذکار“ کی تخریج میں حدیث کو حسن قرار دیا ہے.

(۳) یہ وہ معاذ بن حارث انصاری ہیں جنہیں خلیفۂ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رمضان میں نماز تراویح کے لئے مسلمانوں کا امام مقرر کیا تھا. (دیکھئے جلاء الأفہام ص ۲۷۹)

فضائل درود احادیثِ نبوی ﷺ کے آئینہ میں

(۱) رحمت الٰہی کے نزول کا سبب

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو میرے اوپر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"۔ (۱)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "جس کے آس پاس میرا تذکرہ ہو تو اسے میرے لئے درود پڑھنا چاہئے، کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی دس رحمتوں کا نزول فرماتا ہے"۔ (۲)

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے زبان نبوت سے یہ ارشاد سنا: "کوئی شخص جب مجھ پر درود بھیجتا ہے تو جب تک درود کے کلمات اس کی زبان پر ہوتے ہیں فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اب یہ اس شخص (کی استطاعت و توفیق) پر منحصر ہے کہ وہ چاہے تو بکثرت درود پڑھے یا اس میں کمی کر دے"۔ (۳)

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جو اللہ کے رسول ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی ستر رحمتیں اس پر نازل فرماتا ہے اور فرشتے ستر بار اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اب بندہ چاہے تو بکثرت اس نیک عمل کو انجام دے یا اس میں کمی کر دے۔ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم (۴۰۸)

(۲) امام نسائی کی عمل الیوم واللیلہ (ص ۶۰) ابن سنی کی عمل الیوم واللیلہ (۳۸۳)، امام بخاری کی الأدب المفرد (۶۴۳)، امام نووی نے اپنی کتاب "اذکار" (ص ۱۴۵) میں اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے اور امام بن قیم نے سند کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھئے جلاء الافہام (ص ۲۹۵)

(۳) مسند احمد (۳/۴۴۵)، سنن ابن ماجہ (۹۰۷)، فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۲۵) علامہ البانی نے شواہد کی بنیاد پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع (۵۶۲۰) اور اسماعیل قاضی کی کتاب فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۲۵) پر علامہ البانی کا حاشیہ۔

(۴) مسند احمد (۲/۱۷۲)، حافظ ہیثمی کے بقول امام احمد سے یہ روایت منقول ہے اور اس کی سند درجہ حسن کو پہنچتی ہے، دیکھئے مجمع الزوائد (۱۰/۱۶۰)، احمد شاکر نے مسند احمد رقم (۶۷۵۴) کی تخریج میں سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) درجات کی بلندی اور برائیوں میں کمی کا سبب ہے

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی اولین ساعتوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی و مسرت کے آثار نمایاں طور پر دیکھے گئے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آج آپ ﷺ بے حد خوش دکھائی دے رہے ہیں، جس کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ سے بھی ظاہر ہورہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگوں نے ٹھیک ہی کہا (اور اس کا سبب یہ ہے کہ) میرے پاس میرے رب کا ایک قاصد آیا تھا اس نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو آپ ﷺ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دے گا، اس کی دس برائیوں کو مٹادے گا، اس کے درجات میں دس گنا اضافہ کردے گا اور اسی کے مثل اس پہ رحمتوں کا نزول کریگا. (۱)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے) اس پر اپنی دس رحمتیں نازل کرتا ہے، اس کی دس برائیوں کو مٹادیتا ہے اور اس کے درجات میں دس گنا اضافہ کردیتا ہے (۲).

(۳) گناہوں کی مغفرت اور تفکرات سے نجات کا ذریعہ ہے

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ رات کا دو تہائی حصہ گزرنے کے بعد اٹھے اور فرمایا: "اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، آگیا زلزلہ کا جھٹکا (مراد قیامت ہے) اس کے فوراً بعد دوسرا جھٹکا بھی ہے (جس سے انسانوں کو زندہ کیا جائے گا) موت بھی اپنی لوازمات کے ساتھ آگئی. موت بھی اپنے لوازمات کے ساتھ آگئی". صحابی رسول ﷺ ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کثرت کے ساتھ آپ ﷺ پر درود بھیجا کرتا ہوں تو

---

(۱) مسند احمد (۴/۲۹) علامہ البانی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر رقم (۵۷).

(۲) مسند احمد (۳/۱۰۲)، سنن نسائی (۳/۵۰) الفاظ حدیث سنن نسائی کے ہیں. علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو صحیح الجامع رقم (۶۲۳۵).

میں اب اپنی دعاؤں میں کتنا وقت آپ ﷺ پر درود کے لئے مختص کروں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا : ”جتنا چاہو“ . ابی نے عرض کیا کہ ایک چوتھائی ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اس سے بھی زیادہ پڑھو تو تمہارے لئے بہتر ہے ویسے تم جتنا پڑھ سکو“ . ابی نے کہا تو پھر نصف ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اس سے بھی زیادہ پڑھو تو تمہارے لئے بہتر ہے ویسے تم جتنا پڑھ سکو“ . اس کے بعد ابی نے کہا تو پھر دو تہائی ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس سے بھی زیادہ پڑھو تو تمہارے لئے بہتر ہے ویسے تم جتنا پڑھ سکو“ . ابی نے کہا تو پھر میں اپنی دعاؤں میں آپ ﷺ پر درود ہی پڑھا کروں گا . تو آپ ﷺ نے فرمایا : ”پھر تو یہ تمہارے تمام افکار و آلام کی طرف سے کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے“ . (۱)

(۴) نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا حقدار بناتا ہے

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے زبان نبوت سے یہ ارشاد سنا کہ ”جب اذان پکاری جائے تو تم مؤذن کے مثل کلمات کو دہراؤ، پھر میرے اوپر درود پڑھو اس لئے کہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لئے اللہ سے ”وسیلہ“ طلب کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جس پر اللہ کے کسی ایک بندے کو فائز کیا جائے گا . اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، اس لئے جس نے میرے لئے اللہ سے ”وسیلہ“ طلب کیا وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا“ . (۲)

ابو درداء راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے صبح و شام دس دس مرتبہ میرے اوپر درود بھیجا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حقدار ہو گیا“ . (۳)

---

(۱) سنن ترمذی (۲۴۵۷)، امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے . مسند احمد (۵/۱۳۶)، مستدرک حاکم (۲/۴۲۱)، حاکم کے بقول صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اسے ذکر نہیں کیا ہے، امام ذہبی نے حاکم کے اس قول کی تائید کی ہے . فضل الصلاۃ علی النبی (۲۹-۳۰)، حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے کہ امام احمد نے اسے ذکر کیا ہے اور اس کی سند جید ہے . دیکھئے مجمع الزوائد (۱۰/۱۶۰) .

(۲) صحیح مسلم (۳۸۴)

(۳) اس حدیث کی تخریج گذر چکی ہے

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
"جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد کہا کہ "اے اللہ قیامت کے دن اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو اپنے سے قریب ترین جگہ عنایت فرما تو اس شخص کے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی". (١)

(۵) درود پڑھنے والے کا نام اللہ کے رسول ﷺ کو پیش کیا جاتا ہے

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
"میرے اوپر بکثرت درود بھیجا کرو اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری قبر کے پاس ایک فرشتہ کو متعین کر دیا ہے، چنانچہ جب میری امت کا کوئی فرد مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتہ مجھ سے کہتا ہے کہ "اے محمد ﷺ! فلاں بن فلاں نے اس وقت تمہارے لئے درود بھیجا ہے". (٢)

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فرشتہ کو بندوں کی باتیں سننے کی قدرت عطا کی ہے چنانچہ جب بھی کوئی مومن مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتہ اسے مجھ تک پہنچاتا ہے، اور میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا ہے کہ جب بھی اس کا کوئی بندہ مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو وہ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرمائے". (٣)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے روئے زمین پر (بندوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے) ہر دم سرگرداں رہتے ہیں اور میرے امتیوں کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں". (٤)

---

(١) مسند احمد (۴/۱۰۸)، حافظ ہیثمی کے بقول (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۳) اس حدیث کو بزار اور طبرانی نے الأوسط اور الکبیر میں ذکر کیا ہے اور ان کی سندیں حسن ہیں.

(٢) دیکھئے دیلمی کی مسند الفردوس (۱/۹۳)، علامہ البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے. ملاحظہ ہو سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۱۵۳۰) اور صحیح الجامع الصغیر (۱۲۱۸)

(٣) طبرانی اور بزار نے اسے نقل کیا ہے اور علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے دیکھئے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۱۵۳۰)، اور صحیح الجامع الصغیر (۲۱۷۲).

(٤) مسند احمد (۱/۳۸۷، ۴۴۱، ۴۵۲)، سنن نسائی (۳/۴۳)، سنن دارمی (۲۷۷۷)، مستدرک حاکم (۲/۴۲۱) حاکم کے بقول حدیث صحیح الاسناد ہے، لیکن صحیحین میں مذکور نہیں ہے، امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے. فضل الصلاۃ علی=

(۶) مجالس کو لغویات سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کوئی قوم جب کہیں جمع ہوتی ہے اور اللہ کے ذکر اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجے بغیر اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو گویا وہ مردار کی بدبو کے پاس سے اٹھتی ہے''۔ (۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ اپنی مجلسوں میں اللہ کا ذکر نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود نہیں بھیجتے وہ قیامت کے دن احساس نقص و محرومی سے دوچار ہوں گے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انہیں مبتلائے عذاب کرے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا۔ (۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ کسی نشست میں اکٹھے ہوتے ہیں اور اس میں اللہ کا ذکر اور نبی ﷺ پر درود بھیجنے کا التزام نہیں کرتے تو قیامت کے روز ایسے لوگ حسرت و یاس کی کیفیت میں مبتلا ہوں گے، اگرچہ وہ لوگ اپنے ثواب کی وجہ سے جنت میں داخلہ کے مستحق ہی کیوں نہ بن جائیں''۔ (۳)

(۷) قبولیت دعا کا سبب ہے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر دعا اور اس کی مقبولیت کے درمیان ایک حجاب ہوتا ہے (جو اس وقت تک نہیں اٹھتا) جب تک کہ نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔ (۴)

(۸) بخل و جفا جیسے ناپسندیدہ اوصاف سے بچانے کا سبب ہے

حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے

= النبی (ص ۳۴)، علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے صحیح الجامع الصغیر (۲۱۷۰)۔

(۱) حدیث کی تخریج گذر چکی ہے۔ (۲) حدیث کی تخریج گذر چکی ہے۔

(۳) حدیث کی تخریج گذر چکی ہے۔

(۴) ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت طبرانی کی اوسط میں بھی مذکور ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، علامہ البانی نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے صحیح الجامع (۴۳۹۹)۔

فرمایا: "وہ شخص بخیل ہے جس کے پاس میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔ (۱)

ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"۔ (۲)

حسن بصری نبی اکرم ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ بھی بخل میں داخل ہے کہ میرا تذکرہ کسی کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"۔ (۳)

قتادہ نے نبی اکرم ﷺ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ انسان کی درشتئ طبع اور بدخلقی ہے کہ اس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"(۴)۔

(۹) جنت کے راستہ پر لگاتا ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے مجھ پر درود بھیجنا ترک کر دیا وہ جنت کی راہ کے انتخاب میں چوک گیا"۔ (۵)

---

(۱) سنن ترمذی (۳۵۴۶)، امام ترمذی کے بقول حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ امام نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ (ص ۵۵-۵۶)، مسند احمد (۱/۲۰۱)، ابن حبان بحوالہ موارد الظمآن (۲۳۸۸)، مستدرک حاکم (۱/۵۴۹)، حاکم کے بقول حدیث صحیح الاسناد ہے، لیکن صحیحین میں مذکور نہیں ہے، امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

(۲) فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۴۳) علامہ البانی نے شواہد کی بنیاد پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۴۳) کتاب کے مخرّج علامہ البانی کے بقول روایت مرسل ہونے کے باوجود صحیح ہے۔

(۴) امام ابن قیم کے بقول "اگر اس مرسل روایت کے علاوہ اس کے اصول و شواہد نہ ہوتے تو اس کو حجت نہ بنانے کی گنجائش ہوتی، لیکن اس سے قبل گذری ہوئی روایتوں میں تارک درود کو بخیل اور تنگ دل کہا گیا ہے اور بعض حدیث میں ایسے شخص کے لئے بد دعا تک کی گئی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجنا بدخلقی اور درشتئ طبع کی علامت ہے۔ جلاء الأفہام (ص ۳۶۱)، سخاوی نے القول البدیع (۱۴۶) میں مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ نمیری نے اپنی جامع میں اس روایت کو عبدالرزاق کے حوالہ سے دو سندوں سے نقل کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

(۵) سنن ابن ماجہ (۹۰۸)، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۱/۱۶۷) میں اس حدیث کے ضمن میں کہا ہے کہ اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے، بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ سے، ابن ابی حاتم نے حضرت جابر =

ابو جعفر محمد بن علی باقر رحمہ اللہ رسول اکرم ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے سامنے میرا ذکر آیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا تو اس نے جنت کی طرف لے جانے والے راستہ کے انتخاب میں غلطی کی''. (۱)

☆☆☆

= سے اور طبرانی نے حضرت حسین بن علی سے روایت کی ہے، اس کی متعدد سندیں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کرتی ہیں، ابن ملقن نے بھی شواہد کی بنیاد پر حدیث کی صحت کو ترجیح دی ہے، دیکھئے فیض القدیر (۶/ ۲۳۲).

(۱) یہ روایت فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۴۶) میں متعدد سندوں سے منقول ہے، حافظ ابن کثیر کے بقول یہ روایت مرسل ہونے کے باوجود جید ہے، کیونکہ اس کی تائید حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی ہوتی ہے، دیکھئے تفسیر ابن کثیر (۳/ ۵۲۰).

فوائد و برکاتِ درود امام ابن قیم کی زبانی

جلاء الافہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی خیر الانام کے مؤلف امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں درود کے بہت سے فوائد و برکات کا احاطہ کیا ہے جنہیں ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

پہلا فائدہ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔

دوسرا فائدہ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی موافقت ہے اگرچہ بندہ اور رب کا درود نوعیت میں ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔

تیسرا فائدہ ملائکہ کے عمل درود کے ساتھ موافقت ہے۔

چوتھا فائدہ ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ کی دس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ بندہ کے درجات میں دس گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

چھٹا فائدہ نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

ساتواں فائدہ دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں۔

آٹھواں فائدہ دعاؤں کے آغاز میں پڑھا گیا درود دعاؤں کو رب کائنات کے حضور پیش کئے جانے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے ان کی مقبولیت کی توقعات بڑھ جاتی ہیں۔

نواں فائدہ درود کے بعد نبی اکرم ﷺ کے لئے اللہ سے ''وسیلہ'' کی درخواست کرنا یا اس کے بغیر محض درود پڑھنا بھی آپ ﷺ کی شفاعت کا حقدار بناتا ہے۔

دسواں فائدہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔

گیارھواں فائدہ درود پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندوں کے تفکرات اور ان کی پریشانیوں کو دور فرما دیتا ہے۔

بارھواں فائدہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی قربت کا مستحق بناتا ہے۔

تیرھواں فائدہ تنگ دستوں کے لئے درود کا پڑھنا صدقہ و خیرات کے قائم مقام ہے۔

چودھواں فائدہ ضرورتوں کی تکمیل کا سبب ہے۔

پندرہواں فائدہ درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور فرشتے بھی اس کے حق میں رحمت ومغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔

سولہواں فائدہ درود کا پڑھنا تزکیہ وطہارت کا ذریعہ ہے۔

سترہواں فائدہ درود پڑھنے والے کو موت سے قبل جنت کی بشارت مل جاتی ہے۔

اٹھارہواں فائدہ قیامت کے دن کی ہولناکی سے نجات دلاتا ہے۔

انیسواں فائدہ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے والا جواب میں آپ ﷺ کی دعاؤں کا مستحق بن جاتا ہے۔

بیسواں فائدہ بھولی ہوئی بات یا چیز کو یاد کرنے کا ذریعہ ہے۔

اکیسواں فائدہ مجلس کی پاکیزگی کا سبب ہے اور درود پڑھنے والا قیامت کے دن حسرت ویاس کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوگا۔

بائیسواں فائدہ فقر ومحتاجی سے نجات کا سبب ہے۔

تیئیسواں فائدہ درود پڑھنے والے کا نام "بخلاء" کی فہرست سے نکل جاتا ہے۔

چوبیسواں فائدہ درود مومن کو جنت کے راستہ پر لگاتا ہے اور اس کا تارک راہِ جنت کے انتخاب میں چوک جاتا ہے۔

پچیسواں فائدہ کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی وجہ سے اس پر جائے گندگی وبدبو کا اطلاق نہیں ہوتا۔

چھبیسواں فائدہ جس کلام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجا گیا ہو وہی مکمل ہوتا ہے ورنہ اس کے بغیر کلام ابتر اور ادھورا ہوتا ہے۔

ستائیسواں فائدہ درود پل صراط پر مومن کے لئے روشنی فراہم کرنے کا کام دے گا جس کی وجہ سے اس کے لئے اسے عبور کرنا آسان ہو جائے گا۔

اٹھائیسواں فائدہ درود پڑھنے کی وجہ سے مومن بدخلقی ودرشتئی طبع کی حدود سے نکل جاتا ہے۔

انتیسواں فائدہ درود پڑھنے کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہترین تعریف وتوصیف کا مستحق

بن جاتا ہے، اس لئے کہ اپنے درود کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ سے آخری نبی محمد ﷺ کے اعزاز واکرام اور تعریف و توصیف کا طالب ہوتا ہے اور یہ اصول ہے کہ حسن عمل کا بدلہ اسی عمل کی جنس سے عطا کیا جاتا ہے اس لئے درود پڑھنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعزاز واکرام اور تعریف و توصیف ناگزیر ہو جاتی ہے۔

تیسواں فائدہ درود بندہ کی ذات، اس کے عمل، اس کی عمر اور اس کے لئے مفید چیزوں میں برکت کا سبب ہے، اس لئے کہ درود پڑھنے والا نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کے لئے برکت کی دعا کرتا ہے جو کہ قبول ہوتی ہے، لہٰذا اس کا بدلہ بھی اسی کی جنس سے عطا کیا جاتا ہے۔

اکتیسواں فائدہ درود کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں آ جاتا ہے، اس لئے کہ درود پڑھنے والا نبی اکرم ﷺ کے لئے صلاۃ کی دعا کرتا ہے اور بعض حضرات کے بقول لفظ "صلاۃ" رحمت ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگر بالفرض ایسا نہیں بھی ہے تو صحیح قول کے مطابق رحمت "صلاۃ" کے لوازمات میں سے ضرور ہے، لہٰذا درود کی وجہ سے بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت وا ہو جاتی ہے۔

بتیسواں فائدہ محبت رسول ﷺ ایمان کا ایک ایسا لازمی جزء ہے جس کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہوتی ہے اور درود اس محبت رسول ﷺ کو دل میں دائم و قائم رکھنے اور اس میں مسلسل اضافہ کرنے کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ درود کی کثرت کے ذریعہ بندہ اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کے ذکر و تذکرہ اور آپ ﷺ کے محاسن ومکارم کا جس قدر اپنے دل میں استحضار کرے گا نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کی بے پایاں محبت میں اتنا ہی اضافہ ہوتا رہے گا حتی کہ محبت رسول ﷺ اس کے پورے صفحۂ دل پر انمٹ نقوش کی طرح ثبت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی آپ ﷺ کے ذکر و تذکرہ اور اپنے دل میں آپ ﷺ کے محاسن ومکارم کے استحضار سے جس قدر اعراض کرے گا اسی قدر محبت رسول ﷺ اس کے دل سے نکلتی جائے گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محبت کے لئے محبوب کے دیدار سے زیادہ لذت آفریں کوئی چیز نہیں ہوتی اور کسی سے محبت ہو جانے کے بعد

محبوب کے محاسن وخوبیوں کے استحضار کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف دل مائل نہیں ہوتا قلب انسانی اگر حقیقتاً محبت ووارفتگی کی اس کیفیت سے دوچار ہوجائے تو پھر زبان پر بھی محبوب کی حمد وثنا اور اس کے محاسن کا تذکرہ بے اختیارانہ جاری ہو جاتا ہے اور محبت میں کمی یا زیادتی کے سبب ذکر وتذکرہ اور ذہنی میلان میں بھی کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے. انسانی احساسات ان حقائق کے گواہ ہیں.

تینتیسواں فائدہ درود جس طرح محبت رسول ﷺ میں اضافہ کا سبب ہے اسی طرح درود پڑھنے والا اپنے اس نیک عمل کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کا بھی حقدار بن جاتا ہے.

چونتیسواں فائدہ درود ہدایت کا سبب اور دلوں کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ پر بکثرت درود بھیجنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی محبت بندہ کے دل میں جاگزیں ہوگی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے اوامر کا استحضار بھی دل میں رہے گا اور ان کی طرف سے اعراض یا ان میں شک کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، اس طرح بندہ اس بات پر قادر ہوگا کہ وہ آپ ﷺ کے ان اوامر سے، جو سراسر خیر وفلاح کے ضامن ہیں، رہنمائی اور روشنی حاصل کرتا رہے. آپ ﷺ کے ان اوامر کے تئیں بصیرت ومعرفت میں اضافہ کے بقدر آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے عمل میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا.

پینتیسواں فائدہ درود پڑھنے والے کا نام اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے روبرو اس کا ذکر خیر بھی ہوتا ہے جو اپنے آپ میں سعادت وخوش نصیبی کی بات ہے.

چھتیسواں فائدہ درود پل صراط کو عبور کرتے وقت مومن کو ثابت قدم رکھنے کا ذریعہ ہے، تاکہ کامیابی کے ساتھ وہ اسے عبور کرلے، اس کی دلیل کے طور پر عبد الرحمٰن بن سمرہ کی روایت کردہ حدیث کو پیش کیا جاسکتا ہے. ان کے حوالہ سے معروف تابعی سعید بن مسیب نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”میں نے اپنے ایک امتی کو پل صراط پر آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے دیکھا، کبھی وہ چلتا تھا اور کبھی رک جاتا تھا، اس حال میں اس کے پاس مجھ پر بھیجے گئے درود آئے اور اسے پاؤں کے بل مضبوطی کے ساتھ کھڑا کردیا اور اسے (گرنے سے) بچالیا“.

سینتیسواں فائدہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا امت محمدیہ پر آپ ﷺ کے بے پایاں احسانات کے سبب عائد ہونے والے حقوق کے ایک معمولی جزء کی ادائیگی کا ایک چھوٹا سا مظہر ہے، اس لئے کہ اس امت پر آپ ﷺ کے تمام حقوق و احسانات کا احاطہ نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی کوئی مومن ان سب کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم و احسان ہے کہ وہ اپنے بندے کی طرف سے اس کے حق کے ایک جزء کی ادائیگی اور تشکر و امتنان کے اس ادنیٰ مظاہرہ کو بھی شرف قبول بخشتا ہے۔

اڑتیسواں فائدہ نبی اکرم ﷺ پر درود اللہ تعالیٰ کے ذکر وشکر کو بھی شامل ہے، اور اس بات کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت بالخصوص امت محمدیہ کے لئے اپنے آخری رسول ﷺ کو مبعوث کرکے جو انعام واکرام کیا ہے اس کی حقیقت سے درود پڑھنے والا آگاہ ہے۔ اسی طرح درود کے ذریعہ رب کائنات اور اس کے آخری رسول ﷺ کا بابرکت ذکر ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آخری نبی ﷺ کو ان کے شایان شان مقام ومرتبہ اور انعام واکرام سے نوازے۔ اور اس درود کے ذریعہ بندہ کو رب کائنات اور اس کے اسماء وصفات کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اس نے درود پڑھنے کی توفیق عطا کرکے اپنی خوشنودی کے راستہ کی طرف رہنمائی کردی ہے۔ اس سے یہ آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے کہ ہمارا آخری انجام کیا ہوگا۔ گویا درود ایمان باللہ کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہے، کیونکہ درود پڑھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ نے اپنے اس رب کے وجود کا اقرار کیا جو تن تنہا پکارے جانے کا مستحق ہے۔ اسی طرح اس کے علم، قوت سمع، اس کی قدرت وارادہ، اس کی زندگی اور کلام، رسول کو مبعوث کرنے اور اپنی مختلف خبروں سے اس کی تصدیق کرنے اور نبی ﷺ کے لئے اس کے کمال محبت وعنایت وغیرہ تمام حقائق کا ادراک لازم آتا ہے، اور اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ تمام چیزیں اصول ایمان میں داخل ہیں اور درود پڑھنے والا اپنے

اس نیک عمل کے ذریعہ ان حقائق کے ادراک کی تصدیق کرتا ہے اور نبی اکرم ﷺ سے اپنی محبت کو ظاہر کرتا ہے جو اپنے آپ میں بیحد فضیلت والا عمل ہے.

انتالیسواں فائدہ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی حیثیت دعا کی ہے، اور بندہ کی دعا اپنے رب سے دو طرح کی ہوتی ہے: یا تو بندہ اپنے رب کے حضور اپنی حاجتوں کی تکمیل اور شب و روز میں لاحق ہونے والے غم و آلام کو دور کرنے کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے، تو یہ دعا بھی ہے اور سوال بھی، اور یہ بندہ کا اپنی ضرورتوں اور اپنے مقصود و مطلوب کو ترجیح دینا ہے.

بندہ کے دعا کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے یہ سوال کرتا ہے کہ وہ اپنے خلیل وحبیب محمد ﷺ کی تعریف و توصیف اور عزت افزائی و اکرام میں اضافہ کرے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کو بندہ کا یہ عمل پسند ہے کہ وہ اپنی حاجتوں کی تکمیل کے سوال پر اپنے رسول ﷺ کے لئے رحمت واکرام کے سوال کو ترجیح دے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کا یہ پسندیدہ ترین عمل اور انتہائی ترجیح یافتہ سوال ہے اس لئے کہ اس نے اپنے اس سوال کے ذریعہ اپنے مطلوب ومقصود پر اپنے رب اور اس کے حبیب کے مطلوب کو ترجیح دی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کی پسند کو ہر چیز پر ترجیح دی، اور اس صورت میں بندہ اس انتہائی نیک ومقبول عمل کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ویسے ہی انعام واکرام اور محبت وعنایت کا مستحق ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جو تمام چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ترجیح دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ہر چیز پر اس کو ترجیح دیتا ہے.

لفظ "اللھمّ" اور اس کا معنی

"اللھمّ" کا معنی "یااللہ" ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس لفظ کا استعمال صرف اسی وقت درست ہے جب اس کے بعد کسی چیز کی طلب اور اس کے لئے سوال مقصود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ (اللھم غفور رحیم) "اے اللہ! بخشنے والا مہربان" کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ اس کے بجائے (اللھم اغفرلِي وارحمني) "اے اللہ! تو میری مغفرت کردے اور مجھ پر رحم کر" کہنا درست ہوگا۔

البتہ یہ سوال کہ "اللھم" کے اخیر میں آنے والے میم مشدد کی نحوی ومعنوی حقیقت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں نحویوں کا اختلاف ہے۔

اس بارے میں سیبویہ کا یہ قول ہے کہ "اللھم" کے آخر میں آنے والا میم مشدد حرف نداء "یا" کے بدلے آیا ہے، اسی وجہ سے ان کے یہاں "یا اللھم" کہنا درست نہیں ہے۔ مشہور نحوی فراء کا قول یہ ہے کہ "اللھم" کا میم مشدد ایک محذوف جملہ کے بدلہ میں آیا ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے "یااللہ أُمَّنَا بخیر" (اے اللہ میرے لئے بھلائی کا قصد کر) اس جملہ سے اوّلاً جار مجرور "بخیر" کو حذف کردیا گیا، اس کے بعد مفعول "نا" کو حذف کیا گیا تو عبارت یوں باقی رہ گئی "یااللہ أُمَّ" پھر "أُمَّ" کے ہمزہ کو حذف کیا گیا، کیونکہ بوقت دعا دعا کرنے والے کی زبان پر کثرت کے ساتھ "یااللہ" کا لفظ آتا ہے (جس کے بعد ہمزہ کا تلفظ ثقل پیدا کرتا ہے) اس طرح عبارت "یا اللھم" ہوگئی۔

فراء کے یہاں "اللھم" کی طرح "یا اللھم" کا استعمال بھی درست ہے اور اس کے لئے بطور استشہاد یہ شعر پیش کیا ہے ؎

و ما علیك ان تقولي كلما

صلیت و سبحّت یا اللهما

اردُدْ علینا شیخنا مسلّما

"اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم ہر نماز یا تسبیح وتحمید کے وقت یہ کہو کہ اے اللہ! تو میرے باپ یا شوہر کو صحیح سلامت واپس کردے"۔

بصریوں نے مذکورہ نحوی توجیہ کی تردید میں متعدد دلائل پیش کیے ہیں جنہیں مؤلفِ کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ نے قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر تو کیا ہے، لیکن ان کی نحوی تاویلات میں سے کسی ایک کو بھی پسند نہیں کیا ہے. اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حرف میم تعظیم و تفخیم کے لئے آیا ہے جیسے " زُرقُمٌ" نیلگوں رنگ کی زیادتی کو بیان کرنے کے لئے اور "ابنم" لفظ ابن کے معنی میں زور و تاکید پیدا کرنے کیلئے.

اس تعلق سے خود امام ابن قیم رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ حرف "میم" ایک ایسا حرف ہے جو دونوں ہونٹوں کے اتصال سے ادا ہوتا ہے، اسی لئے عربوں نے اس حرف کو جمع کے مفہوم کے لئے علامت کے طور پر استعمال کیا ہے. چنانچہ جہاں وہ لوگ واحد کے لئے "أنت" کہتے ہیں وہیں جمع کے لئے "أنتم" استعمال کرتے ہیں. اسی طرح ضمیر غائب میں واحد کے لئے اگر "ھو" کہتے ہیں تو جمع کے لئے "ھم" کا استعمال کرتے ہیں. یہی حال ضمائر متصل کا ہے یعنی "ضربت" واحد کے لئے تو "ضربتم" جمع کے لئے، اور اسی طرح "إياك" واحد کے لئے تو "إياكم" جمع کے لئے "إياه" واحد کے لئے تو "إياهم" جمع کے لئے اور "به" واحد کے لئے تو "بهم" جمع کے لئے. "أزرق" نیلگوں رنگ کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس کی شدت کو بیان کرنے کے لئے "زُرقُم" کا اور بڑے سرین والے کے لئے "سُتْهُم" کا استعمال کرتے ہیں.

یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ان الفاظ پر غور کریں جن میں حرف میم کا استعمال ہوا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں کسی نہ کسی اعتبار سے جمع کا مفہوم شامل ہے. مثال کے طور پر "لَمَّ الشيء يلمّه" کا معنی جمع کرنا ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے "لمّ اللهُ شعثَه" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی پراگندگی اور انتشار کی کیفیت کو دور کر دیا، اسی طرح عربوں کا یہ قول "دارلمومة" یعنی وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں، اور قرآن میں آیا ہے "أكلاً لَمًّا"(١) جس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد کسی شخص کا ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ دوسرے کے حصے میں بھی تصرف کرے. اس فعل کی اصل "اللهم" ہے جس کا معنی

(١) سورۃ الفجر (١٩)

جمع کرنا ہے یہ "لفّ یلفّ" کا ہم معنی ہے، اور "ألمّ بالشيء" اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی چیز تک پہنچنا قریب ہو اور "اللّمم" کبائر کے ارتکاب کے بالکل قریب تک پہنچ جانے کو کہتے ہیں "الملمّة" مصیبت کو کہتے ہیں جب کسی پر نازل ہو جائے اور "اللّمة" کانوں کے اوپر کے لمبے بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں کی لو سے آگے بڑھ جائیں۔

"لَمَّ" کے مادہ سے ہٹ کر دوسرے مادوں میں بھی میم کا استعمال ہوا ہے مثلاً "تَمَّ" کے معنی پورا ہونا اور مکمل ہونا ہے، اسی سے "بدر التّم" اس چاند کو کہتے ہیں جس کی روشنی اور چمک بھرپور ہو اور "التوأم" ان دو بچوں کو کہتے ہیں جو ماں کے بطن میں اکٹھے رہے ہوں، اسی سے "أم" بھی ہے اور "أم الشيء" کسی چیز کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں گویا "أم" مرکز اور محور کے معنی میں ہے اسی مفہوم کے مد نظر مکہ کو "أم القری" سورہ فاتحہ کو "أم القرآن" اور لوح محفوظ کو "أم الكتاب" کہا جاتا ہے۔ جوہری کے بقول "أم الشيء" کسی چیز کی اصل کو کہا جاتا ہے۔ "أم مثواك" خاتون خانہ کو کہتے ہیں اور "أم الدماغ" اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کے ارد گرد ہوتی ہے اسی کو "أم الرأس" بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے "آیات محکمات" کے لئے کہا ہے "﴿هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ﴾"(۱) "الأمة" انسانوں کی ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو خلقت اور زمانہ کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مساوی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ﴾(۲) اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: (لولا أن الكلاب أمة من الأمم لأمرتُ بقتلها)(۳)۔

اسی طرح "امام" اس شخص کو کہتے ہیں جس کی اقتداء بہت سے لوگ کریں۔ اور "أمَّ الشيءَ" کہتے ہیں جب کسی چیز کا قصد کیا جائے اور "رمّ الشيء يرمّه" کہتے ہیں کسی چیز کی اصلاح کرنے اور اس کے

---

(۱) سورۃ الأنعام: ۳۸ (۲) سورۃ آل عمران: ۷

(۳) سنن ترمذی (۱۴۸۶)، سنن نسائی (۷/۱۸۵)، سنن ابن ماجہ (۳۲۰۵)، سنن دارمی (۲/۹۰)، سنن ابی داؤد (۲۸۴۵) حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے "فاقتلوا منها كل أسود بهيم وما من أهل بيت يرتبطون كلباً إلا نقص من عملهم كل يوم قيراط إلا كلب صيد أو كلب حرث أو كلب غنم" حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

اجزاء کو اکٹھا کرنے کو، اسی وجہ سے انار کو عربی میں "رُمَّان" کہتے ہیں کیونکہ اس کے دانے اکٹھے اور ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں. "ضمّ یضمّ" کے معنی ہیں جمع کرنا اور "هَمّ الإنسان و هموّمه" ان عزائم اور ارادوں کو کہتے ہیں جن کی آماجگاہ انسان کا سینہ ہوتا ہے. "أسود" (کالا سانپ یا کالا آدمی) کو "أحم"، اور "الفحمة السوداء" (بجھی ہوئی چنگاری) کو "حممة" کہتے ہیں، "حمم الرأس" اس وقت بولتے ہیں جب بال اتروانے کے بعد سر کالا ہو جائے اور "حمم" کے لفظ سے کالے رنگ کا معنی اس وجہ سے نکلا ہے کہ کالا رنگ انسانی نگاہ کو پہلی نظر میں متوجہ کرنے والا ہوتا ہے جس پر نگاہ بآسانی مرکوز ہوتی ہے اسی وجہ سے جس انسان کی نگاہ کمزور ہو اس کی آنکھ کے قریب بطور علاج کالے کپڑے کا ٹکڑا رکھا جاتا ہے تاکہ نگاہ اس پر مرکوز ہو اور قوت بصارت میں اضافہ ہو. حرف "میم" کے اس معنی ومفہوم کی وضاحت میں گفتگو اور طویل ہوسکتی ہے لیکن ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں.

"اللھم" کے آخری حرف "میم" کے تعلق سے مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس حرف کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک ایسے نام کے آخر میں جوڑا گیا ہے جس کے ذریعہ انسان مختلف احوال میں اللہ سے اپنی حاجتوں کے متعلق سوال کرتا ہے اور جو اس کے سارے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے. چنانچہ جب کوئی سائل کہتا ہے "اللھم إني أسئلك" تو گویا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کے ساتھ پکارتا ہے. اور اس کا مدعا اصلاً یہ ہوتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کے ذریعہ سوال کرتا ہوں. اس طرح لفظ "اللہ" کے اخیر میں حرف میم کے اضافہ سے یہ اسم واحد دیگر اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کا جامع بن گیا. اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "کسی بندۂ مومن کو جب کوئی غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے اور وہ حالت پریشانی میں ان الفاظ میں دعا کرتا ہے (اللھم إني عبدُكَ، ابنُ عبدِكَ، ابنُ أمتك. ناصيتي بيدك، ماضٍ فيَّ حكمك، عدلٌ فيَّ قضاؤك، أسألك بكل اسم هولك، سميت به نفسك، أو أنزلته في كتابك، أو علّمته أحدًا من خلقك، أو استأثرت به في علم الغيب عندك، أن تجعل القرآن ربيع قلبي، و نور صدري، وجلاء حُزني، و ذهاب همّي وغمّي) "اے اللہ! میں تیرا ہی بندہ ہوں، تیرے ہی ایک بندہ اور تیری ہی ایک بندی کی اولاد ہوں، میرے

سارے معاملات تیرے ہی ہاتھ میں ہیں، تیرا ہی حکم میرے اوپر نافذ ہوتا ہے اور تیرا ہی فیصلہ میرے لئے مناسب ہوتا ہے. اے اللہ! میں تیرے ان تمام اسمائے حسنیٰ کے واسطہ سے تجھ سے (اپنی حاجت روائی کے لئے) سوال کرتا ہوں جنہیں تونے اپنے لئے منتخب کیا ہے یا جنہیں تونے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ذکر کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا جو تیری جانب سے پردۂ غیب میں ہیں کہ تو قرآن کو میرے دل کے لئے بہار آفریں اور سرچشمۂ تجلیات بنادے نیز اس کے ذریعہ میرے افکار و آلام اور غم و اندوہ کا مداوی کردے".

تو اللہ تعالیٰ بندہ کے ھموم وافکار کو دور کر دیتا ہے اور مسرت وشادمانی کو ان کا بدل بنا دیتا ہے. صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے ان ارشادات کو سننے کے بعد عرض کیا کہ ہم لوگ اس دعا کو سیکھ نہ لیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہیں جو بھی اس دعا کو سنے اسے یاد کرلے". (۱)

اسی لئے دعا کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کے ذریعہ اپنی حاجت روائی کے لئے سوال کرے جیسا کہ اسم اعظم پر مشتمل اس دعا میں مذکور ہے "اللهم إني أسئلك بأن لك الحمد لا إله إلا أنت الحنّانُ المنّانُ بديعُ السماوات و الأرض يا ذالجلال والإكرام يا حيُّ يا قيُّومُ". (۲)

دعا کے اصلاً تین طریقے ہیں. پہلا یہ کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعہ سوال کرے. آیت قرآنی: ﴿وَلِلّٰهِ الأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا﴾(۳) کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے.

---

(۱) مسند احمد (۳/۱/۲۷۱)، صحیح ابن حبان (۲۳۷۲)، مستدرک حاکم (۵۰۹/۱) وغیرہ میں یہ روایت حضرت ابن مسعود کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور محقق حدیث عبدالقادر ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے.

(۲) سنن ابی داؤد (۱۴۹۵)، سنن نسائی (۲۵/۳)، سنن ابن ماجہ (۳۸۵۸) وغیرہ میں یہ حدیث انس بن مالک کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور اس کی سند صحیح ہے، علاوہ ازیں ابن حبان نے صحیح ابن حبان (۲۳۸۲) میں اور حاکم نے مستدرک (۵۰۳/۱-۵۰۴) میں بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے.

(۳) سورۃ الأعراف: ۱۸۰.

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجت، اپنا فقر وفاقہ اور کم مائیگی و بے بسی اپنے پروردگار کے سامنے رکھے اور کہے: میں ایک بندۂ محتاج، بے بس و کمزور اور تیری جناب میں پناہ لینے والا (تجھ سے سوال کرتا ہوں).

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنی دعا میں صرف اپنی حاجت کے متعلق سوال کرے اور پہلی دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہ کرے. ان تینوں میں پہلا طریقہ دوسرے سے اکمل اور دوسرا طریقہ تیسرے سے زیادہ جامع ہے. اور اگر دعا میں تینوں باتیں جمع ہو جائیں تو وہ دعا جامع ترین بن جاتی ہے.

اللہ کے رسول ﷺ کی عام دعاؤں میں ان تینوں امور کا عام طور پر لحاظ ہوتا تھا. آپ ﷺ نے ابوبکر صدیق کو جو دعا سکھائی تھی اس میں یہ تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں. چنانچہ اس دعا کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے (ظلمت نفسي ظلماً كثيراً) اس میں دعا کرنے والا اپنی حالت وحقیقت کو بیان کرتا ہے، پھر وہ کہتا ہے (وإنّه لا يغفر الذنوب إلا أنت) اس میں اللہ کی عظیم ذات واحد کے مقام ومرتبہ اور اس کی قدرت وارادہ کا تذکرہ ہے، پھر وہ کہتا ہے (فاغفر لي) اس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت کو رب کائنات کے حضور پیش کرتا ہے اور اخیر میں (إنك أنت الغفور الرحيم)[1] کہہ کر اپنی دعا کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے دو پاکیزہ ناموں پر ختم کرتا ہے جو مطلوب کے مناسب ہیں.

اللھم کے اخیر میں وارد "میم" کا جو معنی ومفہوم ہم نے اختیار کیا ہے اس سے قبل بہت سے اسلاف امت سے بھی منقول ہے. حسن بصری کا قول ہے کہ "اللھم" دعا کا ایک جامع انداز ہے، ابورجاء عطاردی کا قول ہے کہ "اللھم" کے میم میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ شامل ہیں اور نضر بن شمیل کا قول ہے کہ جس نے "اللھم" کہا اس نے گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ اس کو پکارا.

---

(١) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (٢/ ٨٣٤)، صحیح مسلم (٢٧٠٥) میں یہ روایت ابوبکر صدیق کے حوالہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جسے میں اپنی نماز میں پڑھا کروں تو آپ ﷺ نے یہ دعا سکھا دی (اللهم إني ظلمتُ نفسي ظلمًا كثيرًا، ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي مغفرة من عندك وارحمني إنك أنت الغفور الرحيم) "اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا اور سوائے تیری ذات واحد کے کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا تو محض اپنے فضل وکرم سے مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر اپنا رحم وکرم کر دے بلاشبہ تو ہی معاف کرنے والا مہربان ہے".

"صلاۃ" کے معنی ومفہوم کی وضاحت

مؤلف کتاب امام ابن قیم کے بقول لغوی اعتبار سے لفظ "صلاۃ" کے دومعانی ہیں:

(۱)دعا و تبریک (۲)عبادت

پہلے معنی کی وضاحت قرآن کریم کی اِن آیتوں سے ہوتی ہے ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾[۱] اسی طرح منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾[۲] اور نبی اکرم ﷺ کے اس قول میں بھی لفظ "صلاۃ" کا تقریباً یہی معنی بیان کیا گیا ہے (وإذا دُعِيَ أحدكم إلى الطعام فليجب، فإن كان صائماً فليصل)[۳] یہاں "فليصل" کی تشریح میں دو اقوال ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے لئے برکت کی دعا کرے، دوسرے یہ کہ روزہ کی حالت میں داعی کے گھر کھانے کے بجائے نماز پڑھ لے.

لفظ "صلاۃ" کے معنی کی تعیین میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا لغوی معنی دعا ہے اور دعا دو طرح کی ہوتی ہے، ایک دعائے عبادت دوسری دعائے حاجت. یہی وجہ ہے کہ ایک عابد بھی حالت عبادت میں داعی یعنی رب کو پکارنے والا ہوتا ہے جس طرح ایک سائل داعی یعنی رب کو پکارنے والا ہوتا ہے. اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول کی تفسیر میں یہ دونوں مفاہیم شامل ہیں: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[۴] اور آپ کے رب نے کہا میری اطاعت کرو میں تمہیں ثواب عطا کروں گا اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا. اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول میں دعا کے دونوں مفاہیم شامل ہیں: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾[۵] "جب

(۱)سورۃ التوبہ: ۱۰۳. (۲)سورۃ التوبہ: ۸۴.
(۳)مسند احمد (۲/۵۰۷)، صحیح مسلم (۱۴۳۱) (۴)سورۃ الغافر: ۶۰.
(۵)سورۃ البقرۃ: ۱۸۶

میرا بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو مجھے پکارتا ہے اس کی پکار کو سنتا ہوں"۔

لیکن اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ لفظ "دعا" دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ دعائے عبادت کے مفہوم میں اس کا استعمال قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں میں ہوا ہے جیسے ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾[1] اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾[2] اور یہ آیت کریمہ ﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾[3] اس آخری آیت کی تفسیر میں منقول دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ "اگر تم اس ذات واحد کی "عبادت نہ کرتے" تو اس کے علاوہ کونسی شے تمہاری خبر گیری کی طاقت رکھتی ہے"۔ یہاں مصدر یعنی "دعا" کی اضافت فاعل ضمیر متصل "کم" کی طرف کی گئی ہے۔ دعائے عبادت ہی کا مفہوم ان آیات کریمہ میں بھی شامل ہے جیسے ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ(۵۵)وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾[4] اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول جس میں انبیائے کرام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا﴾[5]۔

لفظ "دعا" کے مفہوم کی مذکورہ توجیہ سابقہ توجیہات سے زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے "دعا" کے مدلول کو متعین کرنے میں پیدا ہونے والا اختلاف بھی رفع ہو جاتا ہے اور "صلاۃ شرعی" کے سلسلہ میں وارد ہونے والا اشکال بھی دور ہو جاتا ہے کہ کیا نماز کے لئے لفظ "صلاۃ" کا استعمال اس کے لغوی معنی سے ہٹ کر کیا گیا ہے؟ اور ایسی صورت میں صلاۃ کو "حقیقت شرعی" مانا جائے یا "مجاز شرعی"؟ کیونکہ مذکورہ توجیہہ کے مطابق لفظ "صلاۃ" (بمعنی نماز) کا لغوی معنی و مفہوم برقرار رہتا ہے اور وہ لغوی معنی "دعا" ہے جس میں دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں شامل ہیں۔ کیونکہ ایک نمازی کی نماز

(۱) سورۃ سبا: ۲۲ (۲) سورۃ النحل: ۲۰

(۳) سورۃ الفرقان: ۷۷ (۴) سورۃ الأعراف: ۵۵،۵۶۔

(۵) سورۃ الأنبیاء: ۹۰۔

میں تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک سارے واجبات وسنن دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اس اعتبار سے مصلی کی نماز "صلاۃ حقیقی" ہوتی ہے نہ کہ "صلاۃ مجازی" البتہ لفظ "صلاۃ" اب نماز کے لئے خاص ہوگیا ہے جس طرح بہت سے دوسرے الفاظ اہل لغت کے یہاں یا عرف میں کسی ایک مدلول کے لئے خاص ہو کر رہ گئے ہیں جیسے لفظ "دلبۃ" اور "رأس"(۱) اور ان جیسے دوسرے بے شمار الفاظ. اس توجیہ کے مطابق کسی لفظ کو اس کے مدلولات میں سے بعض کے لئے خاص کرنا تو کہا جائے گا، لیکن کسی لفظ کو اصلی مدلول سے نکال کر کسی دوسرے معنی ومفہوم کی طرف لے جانا اس سے لازم نہیں آئے گا. واللہ اعلم.

اللہ کی صلاۃ اس کے بندے پر

لفظ "صلاۃ" کی حقیقت پر جو بحث گذشتہ صفحات میں گذری وہ بندہ کی "صلاۃ" سے متعلق تھی لیکن جب لفظ "صلاۃ" کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب کی جائے تو اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عام　　　　(۲) خاص

۱. صلاۃ عام وہ ہے جس کا نزول اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے مومن بندوں پر ہوتا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾(۲) اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے کسی خاص موقع پر جب کسی بندۂ مومن کے لئے "صلاۃ" کی دعا کی تو وہ بھی اسی قبیل سے ہے جیسے آپ ﷺ کا

---

(۱) لفظ "دابۃ" کا اطلاق لغوی اعتبار سے رینگ کر چلنے والے ہر جاندار پر ہوتا ہے، لیکن اہل لغت نے اس کو اب صرف "چوپایہ" کے لئے خاص کر دیا ہے. اسی طرح لفظ "رأس" لغوی اعتبار سے کسی بھی چیز کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں، لیکن اب عرف عام میں اس کا استعمال جسم انسانی کے ایک اہم ترین عضو "سر" کے لئے ہونے لگا ہے، کیونکہ سارے اعضائے جسمانی میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے. وعلى هذا القياس (مترجم).

(۲) سورۃ الأحزاب: ۴۳

یہ قول: (اللهم صلّ علىآل أبي أوفى)[۱] اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک خاتون نے آپ ﷺ سے عرض کیا (صلّ عليّ وعلى زوجي) ''میرے اور میرے شوہر کے لئے رحمت کی دعا کر دیجئے'' تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا (صلى الله عليك وعلى زوجك)[۲]

۲۔ صلاۃ خاص وہ ہے جس کا نزول اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے انبیائے کرام اور رُسل عظام بالخصوص خاتم الانبیاء والمرسلین محمد ﷺ پر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ''صلاۃ'' کے مفہوم کی تعین میں چند اقوال:

پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اس سلسلہ میں اسماعیل بن اسحاق قاضی نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ''صلاۃ'' اس کی رحمت ہے اور فرشتوں کی ''صلاۃ'' ان کی دعا ہے۔[۳]

مبرد کا قول ہے کہ ''صلاۃ'' کا اصل معنی رحمت ہی ہے، اس لئے جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو اس کا معنی ''رحمت'' ہوگا، اور جب اس کی نسبت فرشتوں کی جانب ہو تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ سے رقت کے ساتھ رحمت کی دعا ہوگی۔ متاخرین میں سے بہت سے علماء کا یہی قول ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (۱۳/۷۹۴۱)، صحیح مسلم (۱۰۷۸) میں صحابی رسول ﷺ عبداللہ بن ابی اوفی کے حوالہ سے روایت منقول ہے اور حدیث رسول ﷺ میں ''آل ابی اوفی'' سے مراد خود ابو اوفی ہی ہیں، اس لئے کہ آل کا اطلاق خود آدمی کی ذات پر بھی ہوتا ہے۔ صحابی ابو اوفی کا نام علقمہ بن خالد بن حارث اسلمی ہے۔ وہ اور ان کے بیٹے عبداللہ حاضرین بیعت الرضوان میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے کافی طویل عمر پائی تھی، وہ کوفہ میں انتقال کرنے والے آخری صحابی تھے۔ انہوں نے ۸۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۲) دارمی نے سنن (۱/۲۴)، میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی طویل حدیث کے ضمن میں اسے روایت کی ہے۔ محقق ارناؤوط نے اس کے تمام رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

(۳) فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۹۶) اس کی سند میں ایک راوی جویبر ہیں جو ابن سعید ازدی بلخی سے بھی مشہور ہیں اور ''تقریب'' میں ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، اس لئے اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو جلاء الأفہام (ص ۱۰۹)۔

دوسرا قول[1] یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے. اسماعیل بن اسحاق قاضی نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ سورہ احزاب کی آیت ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ﴾ میں "اللہ کی صلاۃ" سے مراد اس کی مغفرت اور "فرشتوں کی صلاۃ" سے مراد ان کی دعائیں ہیں. [2]

صحیح بخاری میں ابو العالیہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ رسول ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی "صلاۃ" سے مراد فرشتوں کے نزدیک رسول ﷺ کی تعریف وتوصیف ہے. [3]

اسماعیل بن اسحاق قاضی نے اپنی کتاب "فضل الصلاۃ علی النبی" میں ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ آیت کریمہ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾[4] کی تفسیر میں ابو العالیہ کا قول یہ ہے کہ اس میں "اللہ کی صلاۃ" سے مراد اس کی جانب سے تعریف وتوصیف ہے اور "فرشتوں کی صلاۃ" سے مراد ان کی دعائیں ہیں.

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ "اللہ کی صلاۃ رسول اللہ ﷺ پر" سے مراد آپ ﷺ کی تعریف و توصیف، آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی توجہ وعنایات اور اللہ کی جانب سے آپ کے شرف وفضیلت اور احترام کا اظہار ہے تو پھر آیت کریمہ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ میں لفظ "صلاۃ" کے دو الگ الگ معنی "تعریف" اور "دعا" نہیں ہوں گے، بلکہ پھر اسے ایک ہی معنی تعریف وتوصیف میں استعمال کیا جائے گا. اصل یہی ہے.

"صلاۃ" کے سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ میں مومنوں سے عمل "صلاۃ" کا جو

---

(۱) ابن قیم رحمہ اللہ نے پہلے قول کی طرح اس قول کو بھی ضعیف قرار دیا ہے اور متعدد وجوہ سے اس کے ضعف کو بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو جلاء الأفہام (ص ۱۰۹).

(۲) فضل الصلاۃ علی النبی (ص ۹۷) اس روایت کی سند بھی ضعیف راوی جویبر کی سند کی وجہ سے ضعیف ہے.

(۳) صحیح بخاری (۸/ ۴۰۹) میں صیغۂ تاکید کے ساتھ تعلیقاً منقول ہے، لیکن اسماعیل بن اسحاق قاضی نے موصولاً ذکر کیا ہے جیسا کہ مؤلف ابن قیم رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے اور اس کی سند حسن کے لائق ہے.

(۴) سورۃ الأحزاب: ۵۶.

مطالبہ کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے لئے اللہ سے وہ "صلاۃ" طلب کریں جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے خود دی ہے، اور جس میں اس کی جانب سے ان کی تعریف و توصیف اور ان کے لئے فضیلت و شرف کا اظہار اور ان کی عزت و تکریم اور انہیں اپنی قربت عطا کرنے کا وعدہ وغیرہ سب شامل ہے. اسی لئے اس آیت کریمہ کے دو اجزاء ہیں ایک ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ یہ خبر ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں. اور دوسرا جزء ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ﴾ یہ طلب ہے کہ اے ایمان والو، نبی پر درود بھیجو.

اس آیت کریمہ میں بندہ کی طلب، سوال اور دعا کو "صلاۃ" کہنے کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بندہ اپنی "صلاۃ" میں رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کئے گئے اظہار فضیلت و شرف کا اقرار کرتا ہے اور خود بھی اپنی جانب سے رسول ﷺ کے لئے تعریف و توصیف کا اظہار کرتا ہے، چنانچہ اس کی "صلاۃ" میں خبر اور طلب دونوں پائے جاتے ہیں.

دوسری وجہ یہ ہے کہ بندہ چونکہ اپنی "صلاۃ" میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ پر "صلاۃ" نازل کرے اس لئے اس کے اس عمل کو "صلاۃ" ہی سے تعبیر کیا گیا. چنانچہ اللہ تعالیٰ کی "صلاۃ" اس کی جانب سے نبی ﷺ کی تعریف و توصیف اور رفعت و قربت کا وعدہ ہے اور بندہ کی "صلاۃ" یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کو ان اعزازات وانعامات سے نوازے.

رہی یہ بات کہ آیت کریمہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ﴾ کی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ "يصلون" کے معنی "يباركون عليه" ہے تو یہ معنی ثناء، تعریف و توصیف اور تکریم و تعظیم کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ "تبریک" (برکت نازل کرنا) میں یہ تمام چیزیں شامل ہیں. اسی لئے ایک دوسری آیت میں "صلاۃ" اور "تبریک" ایک ساتھ مستعمل ہے. فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا ﴿رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾[1] اور عیسی علیہ السلام نے کہا تھا ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا

---

(۱) سورۃ ہود: ۷۳

کُنتُ﴾[۱] یہاں "مبارکًا" کی تفسیر اسلاف میں سے متعدد حضرات سے یہ منقول ہے کہ (معلمًا للخير أينما كنت) "یعنی میں جہاں رہوں خیر کی علامت اور خیر کا ذریعہ بن کر رہوں" اور یہ مدلول ہی کا ایک جزء ہے.

چنانچہ جو شخصیت مبارک ہوتی ہے وہ اپنے آپ میں خیر کی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لئے بھی کئی اعتبار سے باعث خیر ہوتی ہے. اسی لئے بندہ کے لئے لفظ "مبارک" استعمال کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شخصیت میں برکت عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ "متبارک" استعمال ہوگا اس لئے کہ خیر و برکت کا نزول اسی ذات واحد کی طرف سے ہوتا ہے. چنانچہ بندہ "مبارک" اور رب "متبارک" ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ "برکتوں والا ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"[۲].

---

(۱) سورۂ مریم: ۳۱ (۲) سورۃ الملک: ۱

نبی کریم ﷺ کے نام (محمد) اور کے مادۂ اشتقاق کا معنی

نبی اکرم ﷺ کا مشہور ترین نام نامی ''محمد'' ہے اور یہ ''حمد'' سے مشتق ہے. یہ لفظ بہت سے معانی ومفاہیم کا جامع ہے جیسے اس شخصیت کی تعریف وتوصیف، اس کی محبت اور اس کا اعزاز واکرام، حمد میں یہ تمام مفاہیم شامل ہیں. لفظ ''محمد'' ''مُفعَّل'' کے وزن پر ہے جیسے مُعظَّم، مُحَبَّب، اور مُبَجَّل وغیرہ. "مُفعّل" کا یہ وزن چاہے عین کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا وزن ہو یا عین کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا وزن ہو اس میں تکثیر (یعنی کسی کام کو بکثرت کرنے یا کسی فعل کے بکثرت وقوع پذیر ہونے) کا مفہوم پایا جاتا ہے. اس وزن سے اسم فاعل کی مثالیں مُعلِّم، مُفهِّم مُبَيِّن مُخلِّص اور مُفرِّج وغیرہ ہیں یعنی تعلیم، تفہیم، تبیین، تخلیص اور تفریج وغیرہ کے کاموں کو بکثرت اور اچھی طرح انجام دینے والا. اگر یہ وزن اسم مفعول کے لئے استعمال ہو تو اس کا مطلب ہو گا کسی فعل کا تکرار کے ساتھ بار بار واقع ہونا یا تو بطور استحقاق یا محض بطور وقوع. چنانچہ ''محمد'' اس ذات کو کہا جائے گا جس کی تعریف وتوصیف میں بہت سارے لوگ رطب اللسان ہوں اور اس عملِ تعریف وتوصیف کو بار بار انجام دیتے ہوں، یا اس سے وہ ذات مراد ہو گی جو (اپنے اعمال وکردار اور فضائل ومناقب کی وجہ سے) بار بار لوگوں کی تعریف کی مستحق ہو.

''محمد'' فعل مجہول ''حُمِّد'' سے بنا ہے جیسے مُعلَّم "عُلِّم" سے، لفظ ''محمّد'' بیک وقت عَلَم بھی ہے اور صفت بھی، چنانچہ جب اس سے نبی اکرم ﷺ کی ذات مراد ہو تو اس وقت یہ عَلَم بھی ہو گا اور صفت بھی، لیکن آپ کی ذات کے علاوہ کسی اور کا نام ہو تو پھر وہ صرف عَلَم ہی ہو گا.

اسی طرح رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، اللہ کی کتابوں کے نام اور اس کے نبیوں کے نام بیک وقت عَلَم بھی ہوتے ہیں اور ایک متعین معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے وہ صفت بھی ہوتے ہیں. لہذا ان اسماء کا عَلَم ہونا ان کے صفت ہونے کے منافی نہیں ہو گا بر خلاف مخلوقات کے ناموں کے. چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات خالق ہے، باری ہے، مصوّر ہے اور قہار ہے اور ان کے یہ اسمائے حسنیٰ مخصوص معانی پر دلالت کرنے والے ہیں جو ان کی صفات میں شامل ہیں. اسی طرح ''قرآن'' اور ''الکتاب المبین'' جن میں عَلَمیت اور وصفیت دونوں پائے جاتے ہیں، اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے اسماء ''محمد، احمد اور ماحی'' جو

کہ بیک وقت عَلَم بھی ہیں اور صفت بھی۔ جبیر بن مطعم کی روایت کردہ حدیث میں مذکور ہے: (إن لي أسماء، أنا محمد وأنا أحمد، وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر)[۱] "میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹادے گا"۔

مذکورہ حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چند ناموں کو ان کے معانی کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان معانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جو فضیلت و شرف ہم رشتہ ہے اس کی وضاحت کی ہے۔
اس لئے کہ اگر آپ کے اسماء "محمد، احمد اور ماحی" وغیرہ محض عَلَم ہوتے اور اپنے خاص معانی پر دلالت نہیں کرتے تو پھر وہ آپ کی مدح وستائش پر دلالت نہیں کرتے۔

اس مفہوم کی وضاحت حسان بن ثابت کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے ؎

و شقَّ له من اسمه لِيُجلّه
فذوالعرش محمود وهذاَ محمد

"نبی ﷺ کے اکرام کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی ایک نام کے مادۂ اشتقاق سے اپنے نبی ﷺ کا نام رکھا ہے، چنانچہ عرش والے کا نام محمود ہے اور نبی ﷺ کا محمد ہے"۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم کا نام نامی "محمد" "حَمد" سے مشتق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے فرشتے، دیگر انبیائے کرام اور روئے زمین پر سانس لینے والے تمام انسانوں کے نزدیک محمود ہے، چاہے اس حقیقت کا بعض لوگ انکار ہی کیوں نہ کریں۔ اسی لئے کہ آپ کی صفات کمال کا ادراک کرنے کے بعد ایک صحیح العقل انسان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ آپ کی ذات کو "محمود" مانے، چاہے ان میں سے بعض لوگوں کا جحود وانکار، ان کا بغض وعناد اور آپ کے صفات کمال سے ان کی لاعلمی انہیں انکار حقیقت کی گمراہ کن وادی ہی میں کیوں نہ لے جائے، لیکن وہ فی نفسہ صفاتِ کمال کا منکر نہ ہو تو ایسا شخص درحقیقت "حامد" یعنی تعریف کرنے والا ہی کہلائے گا۔

آپ کا نام "محمد" آپ کی مخصوص صفات اور خوبیوں کی وجہ سے "حَمد" سے مشتق ہے،

---

(۱) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (۴۸۹۶/۸)، صحیح مسلم (۲۳۵۴)۔

کیونکہ وہ خوبیاں آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں کسی اور کے اندر نہیں پائی جاتیں. اس اعتبار سے آپ ”محمد اور احمد“ ہیں اور آپ کی امت ”حمّاد“ ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتی رہتی ہے. اس کے علاوہ امت محمدیہ اپنی نمازوں کی ابتداء اللہ کی حمد و ثنا ہی سے کرتی ہے، آپ کے خطبہ کا آغاز حمد و ثنا سے ہوتا ہے، آپ کی لائی ہوئی کتاب کا آغاز بھی حمد و ثنا ہی سے ہے، اور لوح محفوظ میں ہے کہ آپ کے جانشیں اور اصحاب مصحف کی کتابت کے وقت حمد و ثنا سے اس کا آغاز کرتے ہیں، قیامت کے دن آپ کے ہاتھ میں ”لواء الحمد“ (ایک جھنڈا جس کا نام حمد ہے) ہوگا اور قیامت کے دن جب آپ اپنے رب کے حضور شفاعت کی اجازت کے لئے جبیں سائی کریں گے اور آپ کو رب کی جانب سے اس کی اجازت مل جائے گی تو آپ (شکرانے کے طور پر) اپنے رب کی ایسی ایسی حمد بیان کریں گے جو بطور خاص اسی وقت اللہ کے حکم سے آپ کی زبان پر جاری ہوگی. آپ ہی کی ذات قیامت کے دن ”مقام محمود“ پر فائز ہوگی جس پر اگلے پچھلے سب رشک کریں گے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ ”اور آپ رات میں تہجد پڑھیے، یہ آپ کے لئے زائد نماز ہے، بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کردے“. (١)

جو شخص ”مقام محمود“ کے معنی و مفہوم سے آگاہی کا خواہاں ہو اسے چاہئے کہ وہ صحابہ و تابعین اور دیگر اسلاف امت سے منقول سورہ اسراء کی تفسیر کا مطالعہ کرے. اس سلسلہ میں ابن ابی حاتم، ابن جریر اور عبد بن حمید سے جو کچھ منقول ہے اس سے ”مقام محمود“ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے.

نبی اکرم ﷺ جب مقام محمود پر فائز ہوں گے تو اس وقت سارے اہل موقف چاہے وہ مسلم ہوں یا کافر، اگلے ہوں یا پچھلے سبھی آپ کی تعریف کریں گے، اور آپ سب کی جانب سے تعریف و توصیف کے مستحق ہیں، اس لئے کہ آپ ہی نے اللہ کے حکم سے اس کی زمین پر رشد و ہدایت، ایمان و عقیدہ اور علم و عمل کی روشنی پھیلا کر ظلمت و ضلالت کو دور کیا، اور لوگوں کے دلوں پر ایمانی حقائق کے انمٹ نقوش ثبت کیا، انہیں شیطانی پھندوں سے نجات دلایا، کفر و شرک اور ظلمت و جہالت کے گھٹاٹوپ

---

(١) سورۃ الإسراء : ٧٩

اندھیرے سے انہیں نکال کر ایمان وعمل کی تابناک شعاعوں میں جینا سکھایا، جس کی وجہ سے آپ کے متبعین دنیاو آخرت کی سعادتوں سے سرفراز ہوئے. اس اعتبار سے دنیاوالوں کو آپ کی بعثت کی اسی طرح ضرورت تھی جس طرح انہیں ہوااور پانی کی ضرورت تھی، اس لئے کہ وہ لوگ آپ کی بعثت سے قبل نور ہدایت سے کوسوں دور سراسر ظلمت وجہالت کی فضا میں سانس لے رہے تھے، کوئی بتوں کا پجاری تھا تو کوئی صلیب کا پرستار، کوئی آتش پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا تو کسی نے ستاروں کو معبود بنالیا تھا، غرض دنیا کے لوگ (راہ راست سے دور ہو جانے کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کی زد میں تھے. وہ ضلالت و گمراہی کے بھول میں گم ہو جانے کی وجہ سے نہ تو اپنے اس رب کو جانتے تھے جس کے آگے اپنی جبین نیاز خم کرتے اور نہ ہی طریقہ عبودیت سے آگاہ تھے. اس وقت معاشرہ کے طاقتور لوگ کمزوروں کی بے بسی وکمزوری کا خوب خوب فائدہ اٹھاتے تھے اور انہیں اپنے ظلم وجبر کا لقمہ بنا لیتے تھے. جس کسی کو بزعم خود کوئی اچھی چیز سمجھ میں آجاتی تو وہ دوسروں کو زبردستی اس کا قائل کرنے کی کوشش کرتا، اور اس کے لئے اپنے مخالفین کے ساتھ جنگ وجدال پر آمادہ ہو جاتا تھا، کوئی خطۂ ارض ایسا نہیں بچا تھا جو انوار رسالت کے کرنوں سے منور ہو.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی پر آشوب صورتحال میں جب روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کے طرز حیات کا جائزہ لیا تو سوائے چند نفوس قدسیہ کے جو کفر وشرک سے اپنا دامن بچا کر صحیح دین پر قائم تھے سارے انسانوں کی مجموعی صورتحال نے اس کے غیض وغضب میں مزید اضافہ کر دیا، لیکن اس ذات واحد نے اس کے باوجود اس صورتحال میں اپنے نبی ﷺ کو مبعوث کر کے اپنے بندوں کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کیا اور انوارِ نبوت سے ظلمت وضلالت کو دور کر دیا، اور بے جان لاشہ میں تبدیل ہو جانے والی قوم کو دوبارہ زندگی عطا کر دی. اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کی بعثت کے ذریعہ ہی لوگوں کی ضلالت کو ہدایت میں، جہالت کو علم وآگہی میں، قلت تعداد کو کثرت میں، ذلت ورسوائی کو عزت وسربلندی میں اور فقر ومحتاجی کو غنی وثروت میں تبدیل کر دیا. اس ذات واحد نے اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعہ بصیرت سے محروم انسانوں کو روشنی اور صدائے حق کی سماعت سے محروم کانوں کو قوت سماعت عطا کی اور بند دلوں کے دروازے کھول دیئے جس کے نتیجہ میں لوگوں نے اپنے معبود حقیقی اور اصلی پالنہار کو اپنی بساط کے بقدر

پہنچانا اور رب کی معرفت حاصل کرنے کے بعد لوگوں نے مختلف انداز سے اپنے معبود کے اسمائے حسنیٰ، صفات عالیہ اور قدرت کاملہ کی دہائی دی، حتی کہ رب حقیقی کی معرفت نے مومن بندوں کے ذہن و دماغ سے ہر قسم کے شکوک و شبہات کو دور کر کے ان کے سینوں کو اسی طرح منور کر دیا جس طرح چودہویں رات کا چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل کر روئے زمین کو روشن و منور کر دیتا ہے۔

رب حقیقی کی معرفت کی جانب رہنمائی و رہبری کرنے والی نبی اکرم ﷺ کی عظیم دعوت کے بعد پھر کسی اور کی رہبری و رہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ آپ کی بے مثال رہنمائی نے لوگوں کو رب کی معرفت کے بلند مقام پر فائز کر دیا، اس کے بعد اس سلسلہ میں کسی اور کے قیل و قال کی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں“۔ (۱)

اللہ کے آخری نبی ﷺ نے گمراہ انسانوں کی ان کے رب کی رضا و خوشنودی اور اس کی بنائی ہوئی جنت کی طرف لے جانے والی راہ کی طرف بھرپور رہنمائی کی، نیکی و بھلائی کا کوئی ایسا عمل باقی نہیں بچا جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو اور برائی کی کوئی ایسی شکل نہیں بچی جس سے آپ نے روکا نہ ہو، جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: (ماترکت من شيء يقربكم إلى الجنة إلا وقد أمرتكم به ولا من شيء يقربكم من النار إلا وقد نهيتكم عنه) ”جنت سے قریب کرنے والا کوئی ایسا عمل میں نے نہیں چھوڑا جس کا لوگوں کا حکم نہ دیا ہو، اور دوزخ کی طرف لے جانے والا کوئی ایسا عمل نہیں بچا جس سے میں نے لوگوں کو روکا نہ ہو“(۲)۔ صحابی رسول ابوذر کا قول ہے: (لقد توفي رسول الله صلي الله عليه وسلم و ماطائر يقلب جناحيه في السماء إلا ذكرنا منه علماً)۔

---

(۱) سورۃ العنکبوت: ۵۱

(۲) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸/ ۲۶۳) میں اس روایت کو نقل کیا ہے، ان کے بقول یہ روایت طبرانی نے بھی نقل کی ہے، اس کے تمام رواۃ صحیح بخاری کے رواۃ میں شامل ہیں سوائے محمد بن عبد اللہ بن یزید کے اور وہ ثقہ ہیں۔

”نبی ﷺ نے وفات سے قبل ہمیں ہر چیز کی تعلیم دے دی، یہاں تک کہ فضاء میں اڑنے والے ہر پرندہ سے متعلق ہمیں علم سے آراستہ کر دیا“۔ (۱)

نبی اکرم ﷺ ہی کی ذات تھی جس نے موت کے بعد رب حقیقی کے حضور انسانوں کی پیشی کی واضح ترین تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی، اس سلسلہ میں ایک ایک معاملہ کی آپ نے وضاحت کی اور موت وبعد الموت کے پوشیدہ اسرار ورموز سے انسانوں کو مطلع کیا۔ بندوں کو مالک حقیقی سے قریب کرنے والا کوئی ایسا مفید علم باقی نہیں رہا جس کی کنجی نبی ﷺ نے لوگوں کو نہ تھما دی ہو، اور کوئی ایسی مشکل و پیچیدگی نہیں بچی جس کی شرح وبسط کے ساتھ آپ نے وضاحت نہ کر دی ہو۔ نبی اکرم ﷺ کی اس بے مثال رہنمائی کی وجہ سے رب ذوالجلال نے انسانی قلوب سے شرک وکفر کے اندھیروں کو دور کر کے انہیں رشد وہدایت کی کرنوں سے منور کر دیا، بیمار دلوں کو شفا عطا کیا اور جہل ولاعلمی کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والوں کو اپنی معرفت عطا کر دی تو بھلا نبی اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جو امت محمدیہ کی جانب سے بہترین تعریف وتوصیف اور مناسب ترین بدلہ کا حقدار ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات اپنے اخلاق کریمہ اور عادات شریفہ کی وجہ سے تمام نوع انسان کی جانب سے تعریف وتوصیف کی مستحق ہے، آپ کے اخلاق وعادات کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ آپ انسانی اخلاق حمیدہ کے سب سے زیادہ حلیم وبردبار اور سخی وفیاض تھے، ناگواری اور مصائب کو سب سے زیادہ برداشت کرنے والے اور سب سے زیادہ عفو ودرگذر سے کام لینے والے تھے۔ جو شخص آپ کے ساتھ جس قدر زیادہ جہالت کا مظاہرہ کرتا آپ اس کے ساتھ اسی قدر حلم وبردباری سے پیش آتے تھے۔ عبداللہ بن عمرو کی روایت کے مطابق تورات میں آپ کی صفات عالیہ کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:

”محمد (ﷺ) میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے ان کا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ تو وہ سخت دل اور نہ کسی کو سخت بات کہنے والے ہیں اور نہ ہی بازاروں میں شور وشغب کرنے والے ہیں، کسی کے بُرے سلوک کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ وہ عفو ودرگذر سے کام لیتے ہیں، میں ان کے لئے اس وقت

(۱) مسند احمد (۵/ ۱۶۲) اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

تک موت کو مقدر نہیں کروں گا جب تک کہ ان کے ذریعہ اس کج رو ملت کو اس مقام پر لا کھڑا نہ کروں کہ ان کے لوگ کلمہء توحید لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیں، میں ان کے ذریعہ سے بصیرت سے محروم آنکھوں کو بصیرت، قوت سماعت سے محروم کانوں کو سننے کی طاقت عطا کروں گا، اور بند دلوں کے دروازے کھول دوں گا"۔ (۱)

آپ ﷺ رحمت و رافت کے پیکر اور دینی و دنیاوی امور میں باعث نفع ہونے کے اعتبار سے سب سے عظیم انسان تھے، آپ لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح زبان کے مالک تھے، آپ کے مختصر کلام میں معانی و مفاہیم کی کثرت ہوتی تھی جس سے حقیقی مراد اچھے انداز میں واضح ہو جاتا تھا. صبر و برداشت کے مواقع پر بے مثال صبر کا مظاہرہ کرتے اور معاملات میں صدق و صفا کا نمونہ تھے، عہد و پیمان سب سے زیادہ پورا کرنے والے، حسن سلوک کا کئی گنا زیادہ بدلہ عطا کرنے والے، بہت زیادہ تواضع سے پیش آنے والے اور بے مثال ایثار و بے نفسی کا مظاہرہ کرنے والے تھے، اپنے اصحاب کی جانب سے دفاع و حمایت میں سب سے آگے تھے، جس اچھی بات کا حکم دیتے اس کا بہترین عملی مظاہرہ سب سے پہلے خود کرتے اور جس بات سے روکتے سب سے پہلے خود اس سے مکمل اجتناب کرنے والے تھے، لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کا خیال رکھنے والی بھی آپ ہی کی ذات تھی. کسی شاعر کا یہ شعر آپ کے اخلاق و عادات کی عکاسی کرتا ہے. ؎

بردعلى الأدنى و مرحمة

وعلى الأعادي مازن جلد

(اہل قرابت کے لئے رحمت و رافت کا پیکر ہیں اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرنے والے اور ان کی جفاؤں پر صبر کرنے والے ہیں.)

علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: (كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس صدراً، وأصدقهم لهجة، وألينهم عريكةً ،وأكرمهم عشرة، من رآه بديهةً هابه و من

---

(۱) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری رقم (۸/۸۳۸۴)

خالطه معرفة أحبَّه يقول ناعته: لم أر قبله ولا بعده مثله صلى‌الله عليه وسلم).(١)

"آپ ﷺ سب سے زیادہ دل کے سخی، بات کے سچے، نرم خو اور میل جول میں شرافت کا بہترین مظاہرہ کرنے والے تھے۔ جو آپ کے آمنے سامنے ہوتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جو آپ کے ساتھ تھوڑی دیر بات چیت کر لیتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔ آپ کے ایک مداح کا قول ہے: میں نے آپ جیسا انسان نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔

"أجود الناس صدراً" کا مطلب ہے نیکی و بھلائی کے کام کثرت سے کرنا یعنی آپ کی ذات خیر و بھلائی کا سر چشمہ تھی، کوئی اچھا کام یا بھلائی کا کوئی ایسا عمل نہیں جسے دوسروں سے پہلے انجام دینے کی فکر آپ نہ کرتے ہوں۔ اسی وجہ سے بعض اہل علم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو خیر و بھلائی کا ایسا مرکز بنا دیا تھا کہ آپ کی اکیلی ذات کی طرف سے انجام پانے والے اعمال خیر دنیا کے تمام لوگوں کی جانب سے انجام پانے والے اعمال خیر سے کہیں زیادہ تھے۔ گویا کہ دنیا میں خیر و بھلائی کی جتنی شکلیں ہو سکتی ہیں سب آپ کے سینہ میں ڈال دی گئی تھیں۔

"أصدق الناس لهجةً" یعنی آپ پیکر صدق تھے اور یہ آپ کی وہ عادت شریفہ ہے جس کا اعتراف آپ کے ساتھ جنگ کے میدان میں مورچہ بندی کرنے والے دشمنوں نے بھی کیا ہے اور آپ کے کسی ایک دشمن نے بھی کوئی ایسی شہادت پیش نہیں کی ہے جس سے آپ کے کسی ایک جھوٹ کا ثبوت ملتا ہو۔ آپ کے صدق و صفا کے سلسلہ میں آپ کے اصحاب اور آپ کے خیر خواہوں کی شہادتوں کو اگر تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز بھی کر دیں، اور مشرکین واہل کتاب میں سے ان دشمنوں کی آراء و خیالات کا جائزہ لیں جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگیں کیں، تو ہمیں آپ کے دشمنوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے کبھی آپ کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہوئے ایک معمولی جھوٹ کی بھی گواہی دی ہو۔

مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو جہل سے پوچھا جو یا ماموں تھا کہ آپ لوگ محمد ﷺ کی

---

(١) شمائل ترمذی رقم (٦)، سنن ترمذی رقم (٣٦٤٢)، محقق حدیث شعیب ارناؤوط و عبد القادر ارناؤوط کے بقول اس روایت کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے۔

دعوت کو سننے سے پہلے کیا ان پر جھوٹے ہونے کی تہمت لگاتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: اے میرے بھانجے! اللہ کی قسم محمد ﷺ اپنے عنفوان شباب ہی میں امین و صادق کے لقب سے پکارے جاتے تھے، اور جب بڑھاپے نے دستک دے دیا تو بھلا کیسے جھوٹ بول سکتے تھے؟مسور نے پھر پوچھا کہ آپ لوگ پھر ان کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل نے جواب دیا: اے میرے بھانجے! بنو ہاشم اور ہمارے خاندان کے درمیان اول دن سے ہی فضیلت و شرف کے حصول کے معاملہ میں مقابلہ آرائی کی کیفیت رہی. چنانچہ جب بنو ہاشم (حجاج کی) ضیافت کے لئے آگے بڑھے تو ہم لوگ بھی اس میدان میں ان سے پیچھے نہیں رہے، جب انہوں نے حجاج کو پانی پلانے میں ہم لوگوں پر بازی لے جانا چاہا تو ہم اس میدان میں بھی ان کے ہم پلہ ہو گئے، انہوں نے (اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے) لوگوں کو امان دیا تو ہم لوگوں نے بھی اپنی طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کی حفاظت کی، اس طرح جب ہم لوگ شرف وفضیلت کے ہر کام میں ان کے ہم پلہ ہو گئے تو انہوں نے ہمارے اوپر برتری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے خاندان کا فرد نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اب ہم ان کے اس دعوے کو (نبی کی تکذیب کے علاوہ) اور کس طرح مسترد کر سکتے ہیں.

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کی ان آیات میں اپنے نبی کے دعوائے نبوت کو جھٹلانے والوں کی باتوں سے ان کو پہنچنے والے غم و آلام کا مداوا کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لاَ يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ(٣٣)وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُواعَلَى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلاَ مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ الْمُرْسَلِينَ﴾ "اے نبی ﷺ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے آپ کو رنج ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں مگر اس تکذیب پر اور ان اذیتوں پر جو انہیں پہنچائی گئیں انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی. اللہ کی باتوں کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے اور پچھلے رسولوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہے". (١)

"ألينهم عريكة" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نرم خو اور لوگوں کو اپنی نرمی کی وجہ سے

(١) سورۃ الأنعام: ٣٣، ٣٤.

قریب کرنے والے تھے، کوئی آپ کو دعوت دیتا تو آپ اس کی دعوت کو قبول کرتے، کوئی اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے درخواست کرتا تو ممکنہ حد تک اس کی ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے، کوئی کسی مشکل گھڑی میں آپ کے پاس آتا تو آپ اس کی دل جوئی کرتے، آپ کسی کو محروم ونامراد واپس نہیں کرتے تھے. آپ کے اصحاب کسی معقول بات میں آپ کی تائید چاہتے تو آپ خواہ مخواہ اپنی ایک الگ رائے قائم نہیں کرتے، بلکہ ان کی تائید کرتے تھے، اور آپ خود جب کسی امر کا ارادہ کرتے تو اپنے اصحاب پر اپنی رائے زبردستی نہیں تھوپتے تھے، بلکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلاح ومشورہ کرتے تھے، آپ محسن کے احسان کا اعتراف کرتے اور نامناسب برتاؤ کو معاف کردیتے تھے.

"أکرمهم عشرةً" سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ آپ کے میل کا انداز انتہائی شریفانہ اور مکمل ہوتا تھا. یعنی کبھی اس کی کسی بات پر منہ نہیں بسورتے اور نہ اسے کوئی سخت بات کہتے، خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملنے کی آپ نے اپنی جو عادت بنالی تھی اسے کسی حال میں چھوڑتے نہیں تھے، اور نہ بغیر سوچے سمجھے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہتے جس سے کسی کو تکلیف پہنچتی. کسی کے نامناسب سلوک پر اس کا مؤاخذہ نہیں کرتے تھے اور ان کی ناپسندیدہ باتوں کو بہت زیادہ برداشت کرنے کے عادی تھے، غرض آپ کی طرز معشرت کا وجہ امتیاز یہی تھا کہ آپ اپنے ساتھ رہنے والوں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف و اذیتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ سہہ جاتے، نہ کسی کو سزا دیتے اور نہ ہی لعنت وملامت کرتے اور نہ ہی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے. جو آپ کے ساتھ رہتا تو اس کا اپنا احساس یہ ہوتا تھا کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک محبوب ہے، کیونکہ وہ مصاحبت کے دوران اپنے لئے آپ کی جانب سے نمایاں طور پر لطف وکرم اور قربت ومحبت کا احساس کرتا، آپ اس کے لئے ہر چیز کا خیال رکھتے، اپنی ضرورتوں پر اس کی ضرورت کو ترجیح دیتے، اس کے ساتھ بے مثال حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے اور اس کی ناپسندیدہ باتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلیتے تھے، تو کیا آپ کے اس طرز معاشرت سے زیادہ شریفانہ طرز معاشرت اور انداز سلوک آپ سے قبل کسی کا رہا ہوگا یا آئندہ ہوسکتا ہے؟

حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا، نبی کریم ﷺ اپنی مجلس میں لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے؟ تو میرے والد نے بتایا: آپ ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ

لوگوں سے ملتے تھے، آپ نرم خو، اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنے والے تھے اور درشت طبیعت کے مالک یا سخت بات کہنے والے نہیں تھے، (بات کرتے وقت) چیختے چلاتے نہیں تھے، نہ فحش بات کہتے، نہ کسی کی عیب جوئی کرتے اور نہ کسی کی غیر ضروری تعریف کرتے تھے، جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس کی طرف توجہ نہ کرتے، آپ سے امید لگانے والا بھی نا امید ونامراد نہیں ہوتا تھا. آپ نے اپنے کو تین چیزوں مخاصمت ونزاع، کسی بھی چیز کی زیادتی وکثرت اور لایعنی باتوں سے بچایا تھا. آپ نہ تو کسی کی مذمت کرتے اور نہ عیب جوئی کرتے اور نہ اس کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہونے کی کوشش کرتے تھے. وہی بات آپ کی زبان پر آتی جو باعث نفع ہوتی، جب آپ بات کرتے تو آپ کی مجلس کے لوگ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی باتیں سنتے تھے، جب آپ خاموش ہو جاتے تو لوگ اپنی بات کہتے، آپ کی مجلس میں لوگ اختلاف رائے کا شکار نہیں ہوتے، مجلس کے ایک آدمی کی بات کو سب لوگ بغور سنتے تھے، سب سے پہلے وہ شخص بات کرتا جو مجلس میں سب سے پہلے حاضر ہوتا تھا، آپ لوگوں کے ساتھ کسی بات پر ہنستے بھی تھے اور تعجب بھی کرتے تھے، نووارد کے نامناسب انداز گفتگو اور غیر مناسب سوال پر بھی کمال صبر کا مظاہرہ کرتے تھے، آپ کے اصحاب کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ایسے لوگ مجلس نبوی ﷺ میں آکر سوالات کریں تاکہ انہیں سیکھنے کا موقع ملے، آپ بے موقع اور غیر ضروری تعریف کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی عام طور پر کسی کی بات کا سلسلہ منقطع کر کے اپنی بات کہتے تھے، اگر کسی کی بات کو منقطع کرنے کی واقعی ضرورت ہوتی تو آپ اس کو صاف لفظوں میں منع کر دیتے یا وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے تھے. (۱)

(من رآه بديهةً هابه و من خالطه معرفةً أحبه) یعنی جو آپ کو آمنے سامنے نظر بھر کے دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جو تھوڑی دیر آپ کے ساتھ رہ کر بات چیت کرتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا.

احترام اور محبت دو ایسی خوبیاں ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل صدق واخلاص کے لئے خاص کر دیا ہے. یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو صفات یعنی ظاہری رعب ودبدبہ اور لوگوں کے

---

(۱) امام ترمذی نے "شمائل" رقم: (۳۴۴) میں اس کو ذکر کیا ہے اور علامہ البانی نے مختصر الشمائل (ص ۲۴) میں اسے نقل کیا ہے.

دلوں میں آپ کے لئے جذبہ محبت سے سرفراز کیا تھا، چنانچہ پہلی نظر میں ہر شخص آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتا اور پھر بعد میں اس کے دل میں آپ کے تئیں بے پناہ تعظیم واحترام کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا. یہ کیفیت دوست اور دشمن سب کے ساتھ یکساں تھی. جب کوئی شخص آپ کے ساتھ رہ کر کچھ وقت گذار تا تو آپ کی ذات اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جاتی تھی، یعنی یہ کہ آپ کی ذات لوگوں کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ قابلِ احترام، لائق تعظیم اور محبوب و مکرم تھی اور کسی بھی شخصیت کے ساتھ محبت کو حقیقی محبت اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ تعظیم و تکریم کا جذبہ بھی نہ پایا جائے، اس لئے وہ محبت ناقص ہے جس کے ساتھ تعظیم واکرام بھی شامل نہ ہو اسی طرح بغیر محبت کے صرف رعب و دبدبہ کی وجہ سے کی جانے والی تعظیم و تکریم کو بھی حقیقی تعظیم سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ کسی ظالم آدمی کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی شخص اس کے لئے احترام و تعظیم کا اظہار کرتا ہے، جبکہ اس ظالم کی حقیقی محبت اس کے دل میں نہیں ہوتی. اسی لئے کسی کے ساتھ کمالِ محبت کا اطلاق اسی وقت ہوگا جب کہ محبت کے ساتھ احترام و تعظیم کے جذبات بھی پائے جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ محبوب کے اندر وہ صفاتِ کمال بدرجۂ اتم موجود ہوں جن کی وجہ سے انسان اس کے احترام و تعظیم اور اس کے ساتھ اظہار محبت پر مجبور ہوتا ہے.

جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات میں مذکورہ خوبیاں اور صفاتِ کمال تمام انسانوں کی بہ نسبت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں تو پھر وہ ذات واحد ہی حقیقی تعظیم و تکریم اور محبت و تعلق کی مستحق ہے، اور وہی ذات اس قابل ہے کہ انسانوں کے دل کے رگ و ریشہ میں اس کی محبت سرایت کر جائے اور اس کے ساتھ ایسی والہانہ محبت میں کسی کو اس کا ساجھی و شریک نہ بنایا جائے. لیکن کسی انسان کے ساتھ محبت و تعظیم کا جو معاملہ ہے وہ بھی اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ کے دربار میں مکرم و معزز ہے. مثال کے طور پر امت کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اس کا اکرام و احترام کرتا ہے تو گویا رسول اللہ ﷺ سے محبت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کی محبت کا مستحق بننے ہی کے لئے ہے، اسی طرح صحابہ کرام اور اہل علم وایمان کے ساتھ محبت اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان سے محبت ہے.

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کے لئے محبت واحترام کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں ہر شخص کے ظرف کے مطابق ڈال دیا ہے. حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ (إن المؤمن رُزق حلاوةً ومهابةً) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومن کو ایمان کی مٹھاس اور رعب و دبدبہ سے نوازا ہے. کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کو اللہ کے رسول ﷺ سے جس قدر محبت تھی اور وہ لوگ جتنا نبی ﷺ کا احترام کرتے تھے ویسی محبت اور ویسے احترام کا اظہار کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ نہیں کر سکتا.

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بقول: ''آغوش اسلام میں آنے سے قبل میرے نزدیک کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، لیکن اسلام لے آنے کے بعد کوئی شخص آپ سے زیادہ محبوب نہیں رہا اور نہ ہی کوئی شخص میرے لئے نبی کریم ﷺ سے زیادہ محترم و معزز رہا. الفاظ میں آپ کے خصائص اور خوبیوں کا بیان میرے لئے ممکن نہیں. میں بوجہ احترام آپ کے سراپے پر بھرپور نگاہ نہیں ڈال پاتا تھا. (۱)

ماہر سفارت کار عروہ بن مسعود نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا تھا: ''اے میری قوم کے لوگو! مجھے قیصر و کسریٰ اور دیگر شاہان عرب و عجم کے دربار میں جانے کا موقع ملا ہے، میں نے کسی بادشاہ کو اپنے مصاحبین کے درمیان اتنا معزز و مکرم نہیں پایا جتنا محمد ﷺ کو اپنے ساتھیوں کے درمیان پایا. محمد ﷺ اپنے ساتھیوں میں عزت واحترام کے ایسے بلند مقام پر فائز ہیں کہ وہ انہیں تعظیماً نظر بھر کے دیکھتے بھی نہیں، تم اصحاب محمد ﷺ کی والہانہ محبت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہ جب تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک کسی نہ کسی کی ہتھیلی میں ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے چہرہ اور سینہ پر ملتا ہے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ آپس میں لڑ پڑتے ہیں''. (۲)

چونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے اندر وہ صفات و خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ بار بار

---

(۱) صحیح مسلم(۱۲۱) میں مذکورہ روایت تفصیل کے ساتھ '' باب كون الإسلام يهدم ما قبله '' میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے آئی ہے.

(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۵/۳۱/۲۷۳۱)

لوگوں کی جانب سے تعریف و توصیف کے مستحق ہیں، اسی وجہ سے آپ ﷺ کا نام "محمد" رکھا گیا، کیونکہ یہ لفظ اپنے مدلول کی مکمل وضاحت کرنے والا اور معانی و مفاہیم کا مجموعہ ہے.

لفظ "محمد اور احمد" کے درمیان دو طرح سے فرق کیا گیا ہے: "محمد" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شخصیت بار بار تعریف و توصیف کی مستحق ہے. گویا یہ لفظ تعریف کرنے والوں کی جانب سے تعریف و توصیف کے عمل کی بار بار تکرار پر دلالت کرتا ہے اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آپ کے اندر وہ صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں جن کی وجہ سے کوئی شخص بار بار تعریف و توصیف کا مستحق بنتا ہے. جب کہ لفظ "احمد" "اُفعل" کے وزن پر اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس افضل و اعلیٰ تعریف و توصیف کے مستحق ہیں کوئی اور انسان اس کا مستحق نہیں ہے. گویا لفظ "محمد" میں باعتبار کمیت تعریف و توصیف کی کثرت پائی جاتی ہے اور لفظ "احمد" باعتبار کیفیت تعریف و توصیف کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے یعنی نہ تو آپ سے زیادہ کسی انسان کی تعریف و توصیف کی گئی اور نہ آپ سے بہتر تعریف و توصیف کا کوئی انسان مستحق ہوا.

دوسرا فرق یہ ہے کہ "محمد" کا مطلب تو وہی ہے کہ جس کی بار بار تعریف و توصیف کی جائے، لیکن "احمد" کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی ایسی بے مثال تعریف و توصیف کرنے والے تھے جس پر کوئی دوسرا شخص قادر نہیں ہے. اس طرح لفظ "محمد" کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی ذات قابلِ تعریف و توصیف ہے اور "احمد" کا معنی یہ ہوا کہ آپ اپنے رب کی سب سے بہتر تعریف کرنے والے ہیں.

حاصل کلام یہ کہ آپ کے نام نامی "محمد اور احمد" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ تعریف و توصیف کی کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے تمام انسانوں پر فائق ہیں، یعنی نہ آپ سے زیادہ کسی انسان کی تعریف کی گئی اور نہ آپ سے بہتر کسی انسان کی تعریف کی گئی. اس طرح آپ کے ان دونوں ناموں کی حالت مفعولیت کی بنتی ہے جو زیادہ راجح ہے اور آپ کی تعریف و توصیف کے اعتبار سے یہ زیادہ بلیغ بھی ہے، کیونکہ اگر آپ کے نام احمد سے فاعل کا معنی مراد ہوتا تو پھر احمد کے بجائے "حمّاد" آپ کا نام زیادہ مناسب ہوتا، یعنی رب کی بہت زیادہ حمد و ثنا بیان کرنے والا، کیونکہ آپ اپنے رب کی حمد و ثنا اتنی کثرت سے کرنے والے

تھے کہ اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا. اس طرح لفظ "احمد" کا معنی متعین کرنے میں اگر حالتِ فاعلیت کا اعتبار کیا جائے تو پھر آپ کا نام احمد کے بجائے "حمّاد" ہونا چاہیے تھا، جیسا کہ آپ کے امتیوں کو "حمّادون" کہا جاتا ہے.

اس سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے اخلاق فاضلہ اور خصائل حمیدہ ہی کی وجہ سے محمد اور احمد کہلانے کے مستحق ہوئے، اس طرح آپ کے ان دوناموں کا یہ اشتقاق آپ کے بے مثال اخلاق وکردار کا آئینہ دار ہے، اس لئے کہ انسانوں میں وہ ذات آپ ہی کی ہے جس کی تعریف وتوصیف کا دنیاو آخرت دونوں جہان میں چرچا ہے، اور آپ کے بے شمار خصائل حمیدہ ہی کی وجہ سے زمین وآسمان میں آپ کی تعریف کی جاتی ہے، اس طرح آپ کے یہ دونوں نام مقدار وصفت میں فضیلت وزیادتی پر دلالت کرنے والے ہیں. واللہ اعلم.

❖❖❖

”آل“ کا مفہوم ومادۂ اشتقاق اور اس سے متعلق احکام

لفظ ”آل“ کی اصل کیا ہے؟ اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں. ایک تو یہ کہ اصل میں یہ ”اھل“ ہے اور ھاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو "أأل" ہوگیا، پھر اس قسم کے دوسرے الفاظ پر قیاس کرتے ہوئے اس میں تسہیل کی گئی تو ”آل“ ہوگیا. جن لوگوں کی یہ رائے ہے وہ دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ”آل“ کی تصغیر "أھیل" ہوگی، کیونکہ اس وقت وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گا، اور ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ چونکہ اس لفظ میں ایک سے زائد بار تعلیل ہوئی ہے اور یہ ایک اصل کی فرع ہے، اسی لئے بعض متعینہ اسماء کی طرف ہی اس کی اضافت جائز ہوگی اور اسی وجہ سے اس کی اضافت نہ تو اسم زمان کی طرف کی جائے گی اور نہ اسم مکان کی طرف اور نہ غیر أعلام کی طرف. اسی وجہ سے ان لوگوں کے نزدیک ”آل رجل“ یا ”آل امرأة“ کہنا درست نہیں ہے، اور ان کے یہاں ”آل“ کی اضافت ضمیر کی طرف بھی جائز نہیں ہے لہذا ”آله“ یا ”آلي“ نہیں کہا جائے گا، بلکہ اس کی اضافت کسی معظم ومکرم شخصیت ہی کی طرف کی جائے گی، جیسے کہ واؤ قسمیہ کی جگہ جب تاء کا استعمال ہوتا ہے اس لئے تاء کے ذریعہ قسم کا استعمال صرف سب سے بڑی اور عظیم ذات کے نام کے ساتھ ہی خاص ہوگا اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے. امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس قول کو متعدد اسباب کی بنا پر مرجوح قرار دیا ہے.

اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی اصل ”أول“ ہے. صاحب صحاح نے بھی اس لفظ کو اپنی کتاب میں ہمزہ، واو اور لام کے باب میں ہی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”آل الرجل“ سے مراد اس کے اہل وعیال اور اس کے متبعین ہوتے ہیں، اور ان لوگوں کے نزدیک یہ لفظ ”آل یؤول“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے واپس ہونا، چنانچہ ”آل الرجل“ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ دنیا میں اہل وعیال کا مرجع وماویٰ خود انسان ہی ہوتا ہے اور اسی کی طرف اس کے اہل وعیال کی نسبت کی جاتی ہے.

اور ”آل“ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اپنے اہل وعیال کی وہ ذمہ داری اٹھاتا ہے اور وہ تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں. اس اعتبار سے خود انسان کی اپنی ذات پر ”آل“ کا اطلاق ہوسکتا ہے اور وہ ”آل“ کے اندر شامل ہونے کا زیادہ مستحق قرار پاتا ہے. لفظ ”آل“ کا مادۂ اشتقاق ”آل یؤول“

کسی شے کی اصل اور اس کی حقیقت کو بتانے کے لئے خاص ہے، اسی وجہ سے کسی شے کی حقیقت کو "تأویل" کہا جاتا ہے اس لئے کہ تاویل کسی شے کی حقیقت ہی ہوتی ہے جس کی طرف وہ شے لوٹتی ہے۔ "تأویل" کا ایک دوسرا معنی تفسیر بھی ہے، اس لئے کے تفسیر الکلام کا معنی ہے کلام کے معنی اور اس کی حقیقت کو بیان کرنا۔

اس خیال کے مؤیدین کا کہنا ہے کہ اسی مادۂ اشتقاق سے لفظ "اُول" بھی ہے جس کا معنی ہے پہلا، اس لئے کہ وہ اعداد کی اصل اور اس کی بنیاد ہے، اور اسی وجہ سے "آل" سے خود کسی شخص کی اپنی ذات بھی مراد ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنے اہل وعیال کے لئے اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ عربوں کے یہاں عام طور پر "آل" کا استعمال اضافت کے ساتھ ہی ہوتا ہے، بغیر اضافت کے اس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح عرب عام طور پر کسی اسم ظاہر کی طرف ہی "آل" کی اضافت کرتے ہیں، ضمیر کی طرف اس کی اضافت شاذ ونادر ہی کی جاتی ہے، ان لوگوں کی یہ بھی رائے ہے کہ "آل" کی اضافت کسی مکرم و معظم شخصیت کی طرف ہی کی جائے گی اسی لئے ان کے یہاں "آل الحائک" (پارچہ بافون کے آل) "آل الحجام" (حجام ونائی کے آل) اور "آل رجل" (کسی شخص کے آل) کہنا درست نہ ہوگا۔

لفظ "آل" کے معنی کی تعیین کے سلسلہ میں ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ "آل" سے انسان کی اپنی ذات، اس کے متبعین اور اس کے اہل وعیال اور دیگر رشتہ دار مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کی دلیل کہ "آل" میں انسان کی اپنی ذات بھی شامل ہوتی ہے نبی اکرم ﷺ کا وہ قول ہے جو انہوں نے صحابی اَبو اوفی کے لئے اس وقت کہا تھا جب وہ صدقہ لے کر آپ کے پاس آئے تھے یعنی (اللهم صلّ على آل أبي أوفى) اسی طرح اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے ﴿سَلامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ﴾[1] "ایک قراءت کے مطابق اسے "آل یاسین" پڑھا گیا ہے" اور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول: (اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم) یہاں "آل ابراہیم" سے مراد خود ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے لئے رحمت کی دعا کرنے والا دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ اے اللہ! تو اپنے آخری

(۱) سورۃ الصافات: ۱۳۰۔

نبی ﷺ پر ویسی ہی رحمت نازل فرما جیسی تو نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام پر نازل کی، لہٰذا اس دعا میں آل ابراہیم" کے الفاظ ضمناً آئے ہیں.

لیکن دوسرے لوگوں نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ "آل" سے صرف کسی انسان کے متبعین ورشتہ دار ہی مراد ہوں گے اور اوپر کی مثالوں میں بھی "آل" سے خویش واقارب ہی مراد ہیں. چنانچہ (كما صليت على آل إبراهيم) سے مراد وہ انبیائے کرام ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے مبعوث ہوئے اور دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے آخری نبی ﷺ پر ایسی رحمت کے نزول کی دعا کرتا ہے جیسی اس نے ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں پیدا ہونے والے دیگر انبیائے کرام پر نازل کی، اس سے صرف ابراہیم علیہ السلام پر نازل کی جانے والی رحمت مراد نہیں ہے جیسا کہ اس کی وضاحت آپ نے اپنے دوسرے قول میں کی ہے یعنی (كما صليت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم).

اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿سَلَامٌ عَلَى إِلْ يَاسِينَ﴾ میں "إل ياسين" کی دو قراءتیں آئی ہیں. نافع، ابن عامر ویعقوب نے اس کو دو لفظ بنا کر "آل یاسین" پڑھا ہے جبکہ عاصم، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی کی روایت کے مطابق اسے "إل ياسين" پڑھا گیا ہے جو کہ ایک لفظ پر مشتمل ہے.

"آل" کے معنی کی تعیین کے سلسلہ میں دونوں اقوال کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب کسی جملہ میں صرف "آل" کا ذکر ہو اور اس کی اصل ومتبوع کا ذکر نہ ہو تو اس میں اصل اور متبوع داخل ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿أَدْخِلُوا ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (۱) یہاں پر اس بات میں کوئی شک وتردد نہیں ہے کہ "آل فرعون" میں خود فرعون کی ذات شامل ہے. اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک دوسرا قول ہے: ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا ءَالَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ﴾ (۲) یہاں پر بھی "آل فرعون" میں فرعون، اس کے متبعین اور خویش اقارب سب شامل ہیں اور آپ کا یہ قول: (اللهم صلّ على آل أبي أوفى) میں صحابی ابو اوفی بھی شامل ہیں اور آپ کا یہ قول: (اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم) جیسا کہ صحیح بخاری کی بیشتر روایات میں یہی الفاظ آئے ہیں، یہاں "آل ابراہیم" میں ابراہیم کی ذات بھی شامل ہے.

(۱) سورۃ غافر: ۴۶.
(۲) سورۃ الأعراف: ۱۳۰.

جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ "آل الرجل" سے خود انسان کی ذات مراد ہوتی ہے، غالبًا ان کا مقصد یہی ہے جسے ابھی ہم نے بیان کیا.

لیکن اس کے برخلاف جہاں پر کسی انسان کے تذکرہ کے بعد اس کے آل کا تذکرہ آئے تو "آل" میں اس کی ذات شامل نہیں ہوگی، لہذا "آل" کے ان دونوں طرح کے استعمال میں فرق کیا جانا ضروری ہے جیسے کہ اگر کہا جائے (أعطه لزيد وآل زيد) تو "آل زید" میں خود زید شامل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ خود پہلے سے مذکور ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ (أعطه لآل زيد) تو پھر "آل زید" میں خود زید بھی شامل ہوگا، اس کے لئے اور مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں.

فصل

نبی اکرم ﷺ کے "آل" سے کون لوگ مراد ہیں اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں:

پہلا قول: آل نبی ﷺ سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ کو حرام کر دیا گیا ہے اور جن لوگوں کے لئے صدقہ کو حرام کر دیا گیا ہے ان کی تعیین میں تین اقوال ہیں. ایک تو یہ کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد سے منقول دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے.

دوسرا یہ کہ جن کے لئے صدقہ کو حرام کر دیا گیا ہے وہ صرف بنو ہاشم ہیں. امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے، اور امام احمد کا دوسرا قول یہی ہے، نیز امام مالک کے اصحاب میں ابن القاسم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے.

تیسرا یہ کہ اس میں بنو ہاشم اور ان کے اوپر بنو غالب تک کے تمام خاندان شامل ہیں اس اعتبار سے اس میں بنو مطلب، بنو امیہ، بنو نوفل اور ان کے اوپر بنو غالب تک کی تمام خاندانی شاخیں آ جائیں گی. اصحاب امام مالک میں اشہب نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، صاحب "الجواہر" نے ان سے یہ قول نقل کیا ہے، لیکن صاحب "التبصرۃ" لخمی نے اصحاب امام مالک میں اشہب کے بجائے اصبغ سے یہ قول نقل کیا ہے.

چنانچہ آل نبی ﷺ کی تعیین کے سلسلہ میں پہلا قول، یعنی یہ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے صدقہ کو حرام کر دیا گیا ہے، امام شافعی، امام احمد اور دوسرے بہت سارے فقہاء سے منصوصاً نقل کیا گیا ہے اور جمہور اصحاب امام احمد اور اصحاب امام شافعی کی اختیار کردہ یہی رائے ہے.

دوسرا قول: آل نبی ﷺ سے خاص طور پر آپ کی ذریت اور ازواج مطہرات مراد ہیں، ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "التمہید" میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے، انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر سے متعلق باب میں ابو حمید ساعدی کی روایت کردہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ "آل محمد" سے مراد آپ کی ازواج مطہرات اور ذریت ہے، کیونکہ ابو حمید ساعدی کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں (اللهم صلّ علی محمد

وأزواجه و ذريته) لہٰذا یہ حدیث آپ ﷺ کے قول: (اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد) کی تشریح کرتی ہے کہ "آل محمد" سے آپ کی ازواج مطہرات اور ذریت ہی مراد ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسی وجہ سے کسی شخص کا سامنا جب آپ کی ازواج مطہرات یا ذریت میں سے کسی سے ہو تو ان کے لئے دعائیہ کلمات کے طور پر "صلى الله عليك" کہنا جائز ہے، اور ان کے غائبانہ میں ان کے لئے "صلى الله عليه" بھی کہنا جائز ہے، لیکن آپ ﷺ کی ذات اور آپ کی ازواج و ذریت کے علاوہ کسی اور شخص کے حق میں اس طرح کے دعائیہ کلمات کہنا جائز نہیں ہے۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ "آل" اور "اہل" میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ کسی شخص کے اہل ہی کو آل کہا جاتا ہے اور اس سے مراد اس کی ازواج اور ذریت ہوتی ہے۔ اس دعوے کی دلیل مذکورہ بالا حدیث: (اللهم صلّ على محمد وأزواجه و ذريته) ہے۔

تیسرا قول: آپ کے آل سے قیامت تک آپ کے نقش قدم پر چلنے والے امتی مراد ہیں۔

ابن عبدالبر نے بعض اہل علم سے یہی قول نقل کیا ہے، اور جابر بن عبد اللہ ان اولین لوگوں میں ہیں جن سے یہ قول منقول ہے۔ امام بیہقی اور سفیان ثوری نے صحابی رسول جابر سے یہی قول نقل کیا ہے، اور امام شافعی کے بعض اصحاب نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ابو الطیب الطبری نے اپنی تعلیق میں امام شافعی سے یہی قول نقل کیا ہے اور امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں اسی کو راجح قرار دیا ہے اور ازھری کا بھی قول مختار یہی ہے۔

چوتھا قول: آپ کے آل سے امت محمدیہ کے اتقیاء و صلحاء کی جماعت مراد ہے۔ قاضی حسین، راغب اور دوسرے بہت سے اہل علم سے یہی قول منقول ہے۔ (۱)

---

(۱) امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ان سارے اقوال کے ادلہ کو تصحیح و تضعیف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بیویاں

(۱) خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا

آپ کا نام اور سلسلہ نسب اس طرح ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب. نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ میں آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں، اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کی عمر پچیس سال تھی. خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد آپ کی بہترین رفیقۂ حیات ثابت ہوئیں. جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسالت سے سرفراز کیا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور راہِ نبوت کی مشکلات کے آگے اپنی نصرت وحمایت کے ساتھ سینہ سپر ہوگئیں، وہ مشکل حالات میں آپ کی بہترین ہمدرد وغم گسار ثابت ہوئیں، اور صحیح قول کے مطابق ہجرت سے تین سال قبل اپنے مالک حقیقی سے جاملیں، لیکن ایک دوسرے قول کے مطابق ہجرت سے چار سال قبل، اور ایک قول کے مطابق ہجرت سے پانچ سال قبل آپ کی وفات ہوئی.

آپ کی چند اہم خوبیاں اور خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

۱. نبی اکرم ﷺ نے آپ کے حین حیات کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی.

۲. ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے پیدا ہوئی. ابراہیم ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے.

۳. امت محمدیہ کی خواتین میں سب سے بہترین خاتون قرار پائیں.

عائشہ رضی اللہ عنہا پر ان کی فضیلت وبرتری کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں، جن میں تیسرا قول توقف اختیار کرنے کا ہے.

۴. یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے آپ کو سلام بھیجوایا اور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا سلام آپ تک پہنچادیا.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس ابھی کوئی برتن لئے ہوئے

آئیں گی جس میں کوئی سالن یا کھانا یا پینے کی کوئی چیز ہوگی، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں آپ ان کے رب کی جانب سے اور میری جانب سے سلام کہئے اور ان کو جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے ایک پرسکون و آرام دہ گھر کی خوشخبری سنا دیجئے۔ (١)

٥. یہ خصوصیت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کبھی بُرا سلوک نہیں کیا اور نہ کسی موقع پر آپ کے سامنے غصہ کا اظہار کیا، اسی طرح آپ ﷺ نے کبھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو معتوب نہیں کیا اور نہ ہی ان سے قطع تعلق کیا، یہ باتیں اپنے آپ میں فضیلت و شرف کے اعتبار سے کم نہیں ہیں۔

٦. انہیں اسلام لانے کے اعتبار سے امت محمدیہ کی خاتون اول ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(٢) سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام اور سلسلہ نسب اس طرح ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی۔ سودہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد جب کبر سنی کو پہنچ گئیں تو آپ نے انہیں طلاق دینی چاہی، لیکن سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں باقی رہنے کو ترجیح دیتے ہوئے اس طرح مصالحت کرلی کہ اپنی باری کا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے خاص کر دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو اپنی زوجیت میں باقی رکھا اور طلاق نہیں دی۔ (٢)

سودہ رضی اللہ عنہا کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنی ذات پر ترجیح دی اور اللہ کے رسول ﷺ کی قربت و محبت کی خاطر اور آپ کی زوجیت میں باقی رہنے کے لئے کبر سنی سکے دور میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ اس کے بعد سے آپ ﷺ سودہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر اپنی تمام بیویوں کے یہاں قیام کے لئے باری متعین کرتے تھے، اور وہ رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی خاطر اس پر قانع و راضی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو (٣)۔

---

(١) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (٧/ ٣٨٢٠)، صحیح مسلم: (٢٤٣٢)

(٢) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (٩/ ٥٢١٢)، صحیح مسلم (١٤٦٣)۔

(٣) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (٩/ ٥٠٦٧)، صحیح مسلم (١٤٦٥)۔

(۳) عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما

آپ کا نام ونسب یہ ہے: عائشہ بنت ابی بکر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد ابن تمیم بن مرۃ بن کعب بن لوی القرشی التیمی (۱). ہجرت سے دو سال قبل اور ایک روایت کے مطابق تین سال قبل اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح کیا جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی، اور ہجرت کے بعد مدینہ میں باقاعدہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے گھر رخصت ہو کر آئیں، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی (۲)، اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں اور ۵۸ھ میں وفات پا گئیں، انہیں بقیع میں سپرد خاک کیا گیا، اور ان کی وصیت کے مطابق جلیل القدر صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی.

آپ کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

۱. آپ ہی کو نبی اکرم ﷺ کی محبوب ترین رفیقۂ حیات ہونے کا شرف حاصل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں نقل کی گئی ایک روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ محبت آپ کو کس سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "عائشہ رضی اللہ عنہا سے". پھر پوچھا گیا کہ مردوں میں آپ کا سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "ابو بکر" (۳).

۲. عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کنواری لڑکی سے اللہ کے رسول ﷺ نے شادی نہیں کی.

۳. یہ شرف عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور زوجۂ رسول ﷺ کو حاصل نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب آپ کے ساتھ لحاف میں ہوتے تھے اس حالت میں بھی وحی نازل ہوتی تھی.

۴. جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے لئے نبی ﷺ کی رفاقت یا دنیاوی مال ودولت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے سے متعلق آیت نازل کی تو آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سب سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کو آیت تخییر پڑھ کر سنائی اور انہیں اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار سونپتے ہوئے فرمایا: "کوئی

---

(۱) دیکھئے اصابہ (۱/ ۳۳۳).

(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (۹/ ۵۱۳۳).

(۳) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۷/ ۴۳۵۸)، صحیح مسلم (۲۳۸۴).

بھی فیصلہ کرنے میں جلد بازی مت کرو، بلکہ اپنے والدین کی مرضی معلوم کرلو" عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کے اس نازک موڑ پر ادنی تأمل کے بغیر دو ٹوک الفاظ میں نبی ﷺ کو اپنا جو فیصلہ سنایا تھا وہ یہ تھا کہ "کیا اس معاملہ میں بھی والدین کی مرضی معلوم کرنے کی ضرورت ہے؟ میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو ہر چیز پر ترجیح دیتی ہوں"(۱). عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس دو ٹوک فیصلہ کو سننے کے بعد دیگر ازواج مطہرات نے بھی انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہیں کی بات کو دہرایا تھا.

۵. منافقین نے ان کے دامن عفت کو داغدار کرنے کی نیت سے ان پر جو بے بنیاد تہمت لگائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اس تہمت سے ان کی برأت ظاہر کرتے ہوئے متعدد آیتیں نازل کیں، جو رہتی دنیا تک مساجد کے منبر و محراب سے تلاوت کی جاتی رہیں گی.

۶. اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب دینی معاملہ میں کوئی مشکل امر درپیش ہوتا تھا تو وہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے رجوع کرتے تھے اور وہاں انہیں کوئی نہ کوئی علم حاصل ہوتا تھا.

۷. جس دن نبی اکرم کی روح اطہر قفس عنصری سے پرواز کر گئی اس دن آپ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے مکان میں تھے اور وہ دن ان کی باری کا دن تھا، اور آپ ﷺ کی روح اس حال میں پرواز کی کہ آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے. بعد میں آپ کی تجہیز و تکفین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرہ میں عمل میں آئی. (۲)

۸. صرف انہیں ہی یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زوجیت میں آنے سے قبل ہی ان کی صورت نبی ﷺ کو فرشتہ کے ذریعہ دکھادی گئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں". (۳)

۹. جس دن عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں اللہ کے رسول ﷺ کا قیام ہوتا لوگ عام طور پر اسی دن نبی

---

(۱) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۸/۴۷۸۵)، صحیح مسلم (۱۴۷۵).
(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۳/۱۳۸۹)، صحیح مسلم (۲۴۴۳).
(۳) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۹/۵۱۲۵)، صحیح مسلم (۲۴۳۸)، مسند احمد (۶/۴۱-۱۲۸-۱۶۱).

اکرم ﷺ کو خوش کرنے کے لئے ہدیے و تحفے بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے، اس دن لوگ نبی ﷺ کے لئے ایسے تحفے بھیجتے جو انہیں بہت زیادہ پسند ہوتے اور نبی ﷺ کی بیویوں میں اس بیوی کے گھر بھیجتے جو انہیں سب سے زیادہ پسند تھیں رضی اللہ عنہن اجمعین.

(۴) حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما

حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آنے سے قبل خنیس بن حذافہ (۱) رضی اللہ عنہا کی منکوحہ تھیں جو صحابی رسول ﷺ اور شرکائے معرکۂ بدر میں سے تھے. حفصہ رضی اللہ عنہا کی سن وفات کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں، ایک کے مطابق ان کا انتقال ۲۷ھ میں ہوا جب کہ دوسری روایت کے مطابق ان کی وفات ۲۸ھ میں ہوئی.

حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک انفرادی خصوصیت جسے حافظ ابو محمد مقدسی نے اپنی کتاب "مختصر السیرہ" میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں کسی وجہ سے طلاق دے دی تو فوراً ہی جبرئیل اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر آئے کہ آپ کے رب نے آپ کو حفصہ سے رجوع کر لینے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ وہ بڑی روزہ دار اور بڑی عبادت گذار ہیں اور وہ جنت میں آپ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی. (۲)

(۱) صحابی رسول خنیس رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جنہوں نے پہلے ہی مرحلہ میں نبی ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا پھر انہوں نے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، بعد میں مدینہ پہنچ کر مہاجرین کی جماعت میں شامل ہو گئے. اسلام و کفر کی سب سے پہلی جنگ بدر میں شریک ہو کر ایمان و عزیمت کی حیرت انگیز داستان رقم کی، اس کے بعد معرکۂ احد میں بھی داد شجاعت دینے میں پیچھے نہیں رہے. جنگ احد ہی میں زخمی ہو گئے تھے اور اللہ کی راہ میں لگا ہوا یہی زخم بعد میں ان کی موت کا سبب بنا. رضی اللہ عنہ.

(۲) سنن ابی داؤد (۲۲۸۳)، سنن ابن ماجہ (۲۰۱۶)، میں مذکورہ روایت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حفصہ کو طلاق دے دی تھی پھر رجوع کر لیا تھا. سنن نسائی: (۶/ ۲۱۳) میں ابن عمر کے حوالہ سے حدیث منقول ہے اور اس کی سند صحیح ہے. مصنف کتاب نے انس کی بیان کردہ حدیث کے الفاظ یہاں نقل کئے ہیں جو طبرانی میں آئی ہے. اور یہی الفاظ بزار و طبرانی میں عمار بن یاسر کے حوالہ سے اور طبرانی ہی میں ایک دوسری جگہ قیس بن یزید کے حوالہ سے آئی ہے. مجموعی طور پر حدیث صحیح ہے. دیکھئے مجمع الزوائد: (۹/ ۲۴۴-۲۴۵) اور اصابۃ (۴/ ۲۶۴).

(۵) ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: رملہ بنت صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے. انہوں نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جہاں ان کے شوہر بدقسمتی سے نصرانی ہو گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ایسے امتحان کی گھڑی میں بھی اسلام پر باقی رکھا. ام حبیبہ رضی اللہ عنہا چونکہ رؤسائے قریش میں سے ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں، اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے زندگی کی ایسی مشکل گھڑی میں ان کی دلجوئی کے لئے انہیں اپنے حبالۂ عقد میں لینے کا ارادہ کر لیا اور نکاح کی کارروائی کو آخری شکل دینے کے لئے عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا قاصد بنا کر شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا، چنانچہ نجاشی نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رشتہ ازواج میں منسلک کر دیا اور اپنی طرف سے چار سو دینار مہر بھی ادا کر دیا(۱) ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ولی کی حیثیت سے نکاح کی ذمہ داری عثمان بن عفان نے ادا کی اور ایک دوسری روایت کے مطابق خالد بن سعید بن عاص نے ولی کی ذمہ داری ادا کی تھی.

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے مدینہ میں نبی اکرم ﷺ کے بستر پر اپنے والد ابوسفیان کے بیٹھنے سے اس کا تقدس پامال ہو سکتا تھا چنانچہ نبی ﷺ کی عزت اور ان کے مرتبہ کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے والد سے کہا: آپ اپنی حالت شرک کی وجہ سے اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں. (۲)

(۶) ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ ابن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب. نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آنے سے قبل ابو سلمہ بن عبداللہ الاسد کے نکاح میں تھیں. انہوں نے ۵۲ھ میں انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئیں. ایک روایت کے مطابق ازواج

---

(۱) سنن ابی داود: (۲۱۰۷-۲۱۰۸)، سنن نسائی (۶/۱۱۹) محقق حدیث ارناؤوط نے حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے.

(۲) ابن سعد نے واقدی کی سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ام حبیبہ کی سوانح کے ضمن میں اسے بیان کیا ہے.

مطہرات میں سب سے بعد میں انہیں کا انتقال ہوا، لیکن دوسری روایات کے مطابق ازواج مطہرات میں سب سے اخیر میں انتقال کرنے والی میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں.

انہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ ایک ایسے موقع سے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھیں جب جبرئیل دحیہ کلبی کی شکل میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جبرئیل کو دحیہ کلبی کی شکل میں اپنی آنکھوں سے دیکھا. صحیح مسلم میں روایت ان الفاظ میں مذکور ہے کہ ابو عثمان کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جبرئیل آئے تھے اور اس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے پاس تھیں، جب جبرئیل نبی اکرم ﷺ سے بات چیت کرنے کے بعد رخصت ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھے؟ تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ دحیہ کلبی تھے. جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! تم اس کے علاوہ اور سمجھ بھی کیا سکتی ہو. راوی ابو عثمان کہتے ہیں کہ پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کو جبرئیل کی آمد کے بارے میں بتاتے ہوئے سنا. سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عثمان سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی تو انہوں نے کہا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے. (١)

(٧) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

زینب بنت جحش کا تعلق خاندان بنی خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے ہے. وہ اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں. نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں آنے سے قبل وہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے حبالۂ عقد میں تھیں، لیکن جب انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ انہیں رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا اور یہ آیت نازل کی ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا﴾ ”پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس کا تم سے نکاح کر دیا“(٢) اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ بغیر اجازت طلب کئے ہوئے زینب رضی اللہ

(١) صحیح مسلم: ٢٤٥١ (٢) سورۃ الأحزاب: ٣٧

عنہا کے گھر چلے گئے [1]. وہ دوسری ازواج مطہرات کے سامنے اس بات پر فخر بھی کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ ”تمہاری شادی تمہارے والدین کے توسط سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر مجھے اپنے نبی ﷺ کے نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا [2]. حقیقتاً یہ ان کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور زوجۂ رسول ﷺ کو حاصل نہیں، وہ مدینہ میں ۲۰ھ میں وفات پائیں اور بقیع میں مدفون ہوئیں. رضی اللہ عنہا.

(۸) زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب بنت خزیمہ ھلالیہ ہے. نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آنے سے قبل وہ صحابی رسول عبداللہ بن جحش [3] کی منکوحہ تھیں. اللہ کے رسول ﷺ نے ۳ھ میں ان کے ساتھ نکاح کیا. فقراء ومساکین کے خورد ونوش کا انتظام کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے وہ ”اُم المساکین“ کے لقب سے مشہور ہوئیں. اللہ کے رسول ﷺ کے حبالۂ عقد میں صرف دو یا تین ماہ رہنے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا. رضی اللہ عنہا.

(۹) جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

جویریہ قبیلۂ بنی مصطلق کے ایک معزز گھرانے کی چشم وچراغ تھیں، غزوۂ بنی مصطلق میں وہ اپنے قبیلہ کے دیگر افراد کے ساتھ قیدی بنا کر مدینہ لائی گئی تھیں اور مال غنیمت کی تقسیم میں وہ صحابی رسول ﷺ

---

(۱) صحیح مسلم: (۱۴۲۸)، سنن نسائی: (۶/۷۹) بروایت انس بن مالک.

(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۱۳/۴۲۰ ۷) بروایت انس بن مالک.

(۳) نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور امیمہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادہ ہیں. دعوت اسلامی کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کیا جب کہ صحابی رسول ارقم کا گھر دعوت وارشاد کا مرکز نہیں بنا تھا. حبشہ کی پہلی ہجرت میں ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی احمد اور عبیداللہ اور بہنیں زینب، ام حبیبہ اور حمنہ شامل تھیں، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت بھی ان کے بھائی احمد اور اہل وعیال ان کے ساتھ تھے. وہ پہلے صحابی ہیں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے کسی سریہ کے لئے امیر مقرر کیا. معرکۂ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ احد میں شہید ہوئے اور اپنے ماموں حمزہ کے ساتھ دفن کئے گئے.

ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، بعد میں ثابت کے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا کہ وہ ایک متعینہ رقم کے بدلے ان کو طوق غلامی سے آزاد کردیں گے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے وہ متعینہ رقم ادا کر کے ان کو آزاد کرادیا اور ۶ھ میں انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا. ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۶ھ میں ہوئی. انہیں انفرادی طور پر یہ اعزاز حاصل ہے کہ خانوادۂ نبوی ﷺ سے ان کے وابستہ ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے قبیلۂ بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو نبی اکرم ﷺ کا سسرالی رشتہ دار قرار دیا اور بطور اکرام انہیں آزاد کر دیا، اس طرح ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا، اپنی قوم کے لوگوں کے لئے رحمت و برکت ثابت ہوئیں (۱). رضی اللہ عنہا

(۱۰) صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

صفیہ بنت حیی جلیل القدر نبی موسی علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں. اللہ کے رسول ﷺ نے ۷ھ میں ان سے نکاح کیا، وہ جنگ خیبر میں قیدی بن کر آئیں تھیں اور اس سے قبل کنانہ بن أبي الحقيق نامی یہودی کے نکاح میں تھیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا. صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۳۶ھ میں ہوا اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۵۰ھ میں انہوں نے انتقال کیا.

ان کی ایک انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو حالت غلامی سے نجات دلایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا. (۲)

انس کے بقول "اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے نفس کی آزادی کو ان کا مہر بنادیا" اور آپ ﷺ کا یہ اقدام قیامت تک آنے والی امت کے لئے ایک قابل عمل اسلامی قانون بن گیا، یعنی کوئی شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے بغیر مہر کے اسے اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے، کیونکہ اس کی آزادی ہی اس کا مہر قرار پائے گی.

(۱) سنن ابی داؤد: (۳۹۳۱)، مسند احمد: (۶/۲۷۷) مذکورہ روایت کی سند صحیح ہے.
(۲) صحیح بخاری مع فتح الباری (۷/۴۲۰۰)، مسلم (۱۳۶۵).

(۱۱) میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

اللہ کے رسول ﷺ نے میمونہ بنت الحارث ہلالیہ سے مکہ سے سات میل کے فاصلہ پر واقع مقام سرف میں نکاح کیا، وہیں پر ان کی رخصتی ہوئی اور اسی مقام پر ان کی وفات بھی ہوئی. اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے اخیر میں آپ ہی سے شادی کی، ان کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی. میمونہ جلیل القدر صحابیٔ رسول ﷺ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں، کیونکہ ابن عباس کی والدہ کا نام ام الفضل بنت الحارث ہے جو میمونہ کی بہن تھیں. نامور سپہ سالار اور مجاہد اسلام خالد بن ولید بھی میمونہ کے بھانجے تھے. اللہ کے رسول ﷺ کی یہی زوجہ ہیں جن سے نکاح کے سلسلہ میں محدثین وفقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ ایا اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے حالت احرام میں نکاح کیا یا حالت غیر احرام میں. اس سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس وقت انہیں اپنی زوجیت میں لیا اس وقت آپ ﷺ مُحرم نہیں تھے. اللہ کے رسول ﷺ کے اس نکاح میں پیغام رسانی کے فرائض انجام دینے والے صحابیٔ رسول ﷺ ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس قول کی تائید ہوتی ہے (۱).

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے احرام کی حالت میں میمونہ کے ساتھ نکاح کیا، اس لئے کہ وہ حدیث جس سے حالت غیر احرام میں نکاح کرنے کی وضاحت ہوتی ہے دس اسباب کی بنا پر راجح ہے اور اس کا مفصل بیان مصنف کی کتاب زاد المعاد کے کتاب النکاح میں آیا ہے.

یہ تمام گیارہ ازواج مطہرات اللہ کے رسول ﷺ کی وہ بیویاں ہیں جو ایک خاص عرصہ تک آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات رہیں اور آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کئے.

حافظ ابو محمد مقدسی اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں کا قول ہے: اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے علاوہ مزید سات خواتین کے ساتھ نکاح کیا، لیکن ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے.

---

(۱) مسند احمد: (۶ / ۳۹۳) اور سنن ترمذی: (۸۴۱) میں ابورافع کی یہ روایت نقل کی گئی ہے اور امام ترمذی کے بقول یہ حدیث حسن ہے.

اللہ کے رسول ﷺ کی یہ تمام بیویاں، جو امہات المومنین یعنی امت محمدیہ کی مائیں ہیں اور جنہیں احتراماً ازواج مطہرات یعنی پاکیزہ بیویوں کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور جن کے ساتھ نکاح کو امت محمدیہ پر حرام کر دیا گیا ہے، اس بات کی مستحق ہیں کہ امت محمدیہ کا ہر فرد اپنے دل میں ان کی عزت کو جگہ دے، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے آل کے لئے صلاۃ و سلام کے موقع پر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے بھی رحمت و سلامتی کی دعا کی جاتی ہے، اس لئے کہ وہ سب جس طرح دنیا میں اللہ کے نبی ﷺ کی پاکیزہ بیویاں تھیں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ اسی طرح آخرت میں بھی آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات ہوں گی، لیکن وہ خواتین جن کے ساتھ آپ ﷺ نے صرف نکاح ہی کیا اور مصاحبت وازدواجی تعلقات کی نوبت نہیں آئی تو وہ ان تمام احکامات سے مستثنیٰ ہیں جن کے زمرہ میں ازواج مطہرات آتی ہیں۔

صلى الله عليه وعلى أزواجه و ذريته وسلّم تسليماً.

”ذریۃ“ کی لفظی و معنوی تحقیق

لفظ ”ذریۃ“ کی تحقیق کے دو پہلو ہو سکتے ہیں. لفظی اور معنوی.

لفظی تحقیق :- ”ذریۃ“ کی لفظی تحقیق کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں جن میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ اس کا مادۂ اشتقاق ”ذرَأَ“ ہے جس کا معنی ہے پھیلانا اور ظاہر کرنا. مثال کے طور پر کہا جاتا ہے (ذرَأَاللّٰهُ الخلقَ) یعنی اللہ نے اپنی مخلوقات کو زمین پر پھیلا دیا یا ظاہر کر دیا، ”ذُرِّيَّة“ کی اصل ”ذُرِّيْئَة“ ہوگی ”فُعِّيْلَة“ کے وزن پر لیکن ”ذُرِّيْئَة“ میں ہمزہ کا تلفظ ثقل کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے اس لئے یہ لفظ ”ذُرِّيَّة“ ہوگیا. صاحب ”الصحاح“ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے.

معنوی تحقیق :- اہل لغت کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے کہ ”ذُرِّيَّة“ کا اطلاق چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے بچوں پر ہوتا ہے. اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ ”یاد کیجئے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورے اتر گئے، تو اس نے کہا: ”میں آپ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں“. ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: ”اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے“[1].

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (٣٣) ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا، یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے“[2]. سورہ انعام میں فرمایا: ﴿وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”نیز ہم نے ان کے آباؤاجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہتوں کو نوازا، انہیں اپنی خدمت کے لئے چن لیا اور سیدھے راستہ کی طرف ان کی رہنمائی کی“[3].

---

(١) سورۃ البقرہ: ١٢٤.
(٢) سورۃ آل عمران: ٣٣-٣٤.
(٣) سورۃ الأنعام: ٨٧.

سورہ اسراء کی آیت ﴿وَءَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا (٢) ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ ''ہم نے اس سے پہلے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ذریعۂ ہدایت بنایا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل نہ بنانا، تم ان لوگوں کی اولاد ہو جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا اور نوح ایک شکر گذار بندہ تھے''[1]۔ ان تمام قرآنی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''ذریۃ'' کا اطلاق انسان کی اولاد ہی پر ہوتا ہے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

نسل انسانی کے اوپری سلسلہ یعنی آباء واجداد پر لفظ ''ذریۃ'' کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں اس بارے میں دو اقوال ہیں، اور ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ''ذریۃ'' کا اطلاق آباء واجداد پر ہوتا ہے۔ لیکن علمائے لغت کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ لغت میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ''ذریۃ'' سے آباء واجداد مراد لئے جائیں، اس لئے کہ اس کا اطلاق کسی انسان کی نسل کے نچلے سلسلہ یعنی اس کی اولاد ہی پر ہوتا ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿وَمِنْ ءَابَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ﴾ ''یہاں پر اللہ تعالیٰ نے نسب کی تینوں جہتوں کو ذکر کیا ہے یعنی اوپری جس میں آباء واجداد آتے ہیں، نچلی جس میں ''ذریۃ'' داخل ہے اور برابر کی جس میں ''اِخوان'' آتے ہیں۔

مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ''ذریۃ'' سے انسان کی اولاد اور اولاد کی اولاد مراد ہوتی ہے تو اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ذریّت میں لڑکیوں کی اولاد شامل ہو گی یا نہیں، اس سلسلہ میں فقہاء و محدثین کے دو اقوال ہیں، ایک تو یہ کہ ذریّت میں بیٹیوں کی اولاد شامل ہے۔ امام احمد سے منقول دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے، اور ان کے علاوہ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں بیٹیوں کی اولاد شامل نہیں ہے اور یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ مؤلف نے دونوں اقوال سے متعلق دلائل کو اپنی کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

****

---

(۱) سورۃ الاسراء: ۲-۳۔

ابراہیم خلیل الرحمٰن کی اہمیت وخصوصیت

"ابراہیم" سریانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے "أبٌ رحیمٌ" یعنی شفیق و مہربان باپ. اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کونسل انسانی کا پدر سوم قرار دیا ہے، اس لئے کہ نسل انسانی کے پدر اول آدم اور پدر دوم نوح علیہما السلام ہیں اور زمین پر بسنے والے تمام انسان ان کی "ذریۃ" ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ "اور ہم نے اسی کی نسل کو باقی رکھا"(۱) اس سے بعض ان اہل عجم کے کذب وافتراء کی قلعی کھل جاتی ہے جو نسل انسانی کے دوسرے مرکز ومحور نوح اور ان کی اولاد کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں اور اپنے سلسلہ نسب میں کہیں بھی ان کا تذکرہ نہیں کرتے، وہ اپنے آپ کو براہ راست آدم سے جوڑتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نوح کا تذکرہ کرنے کے بعد انہی کی نسل کو باقی رکھنے کی صراحت کر کے ان بعض اہل عجم کی کج روی اور کذب بیانی کو واضح کر دیا ہے.

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اقوام عالم کے پدر سوم اور ابوالآباء ہیں، اور وہ امام الحنفاء یعنی یکسو ہو کر اللہ سے لو لگانے والوں کے امام ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا اور نبوت ورسالت کو ان کے بعد ان کی آنے والی نسل کے لئے خاص کر دیا، انہی کو "خلیل الرحمٰن" اور نبی آخرالزمان کے بقول "شیخ الانبیاء" بھی کہا جاتا ہے. جب اللہ کے رسول ﷺ (فتح مکہ کے بعد) کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں مشرکین کے ہاتھوں بنائی ہوئی ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر دیکھی جن میں انہیں قدیم عربوں کی مشرکانہ روایت کے مطابق تیروں سے فال نکالتے ہوئے دکھایا گیا تھا. آپ ﷺ نے ان شرکیہ تصویروں کو دیکھنے کے بعد فرمایا: (قاتلهم الله لقد علموا أن شيخنا لم يكن يستقسم بالأزلام) "اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے، انہیں معلوم ہے کہ ہمارے "شیخ" ان مشرکین کی طرح تیروں سے فال نہیں نکالتے تھے(۲).

ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعزاز ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو ان کے علاوہ کسی اور نبی کی ملت کی اتباع کا حکم نہیں دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ

(۱) سورۃ الصافات: ۷۷.

(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۸/ ۴۲۸۸)، مسند احمد: (۱/ ۳۶۵)

مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ "پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلیے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے" (۱). اور آپ ﷺ کی امت کو بھی ملت براہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے: ﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ﴾ "اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے، اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر، اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا" (۲). اس آیت کریمہ میں لفظ "ملة" سے پہلے فعل امر پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے وہ منصوب ہے یعنی: (اتبعوا والزموا ملة أبيكم) "اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو اپنے لئے لازم کرلو" ماقبل کا جملہ ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ "اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے" (۳) "ملة" سے قبل فعل امر کے پوشیدہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے اصحاب کو صبح وشام جو دعائیہ کلمات اپنی زبان سے ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے، ان کے الفاظ یہ ہیں: (أصبحنا على فطرة الإسلام وكلمة الإخلاص ودين نبينا محمد وملة أبينا إبراهيم حنيفاً مسلماً وما كان من المشركين) "ہم نے فطرت اسلام، کلمۂ اخلاص اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر صبح کی جو صرف اپنے رب سے لو لگانے والے اور اسی کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے" (۴).

دعائے نبوی کے ان الفاظ پر غور کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آپ نے فطرت کی نسبت اسلام کی طرف کر کے یہ بتانا چاہا ہے کہ اسلامی فطرت ہی اصل ہے اور اسی فطرت پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور "کلمۂ اخلاص" اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دینا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے "ملت" کی اضافت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ بتانے کے لئے کی ہے کہ صاحب ملت انہی کی شخصیت

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۲۳.　(۲) سورۃ الحج: ۷۸.

(۳) سورۃ الحج: ۷۸.

(۴) مسند احمد (۳/۴۰۶-۴۰۷)، دارمی (۲/۲۹۲) ابن سنی (۳۴) ان تمام کتب حدیث میں عبد الرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت نقل کی گئی ہے اور محقق حدیث عبد القادر وشعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ہے اور یہ کہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کی بندگی جس میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے اور ہر چیز کی محبت پر اسی کی محبت کو ترجیح دینا ملت براہیمی کے جلی عنوانات ہیں. آپ ﷺ نے "دین" کی نسبت خود اپنی طرف کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کامل ترین دین اور اس کی وہ جامع ترین شریعت ہے جو نبی آخر الزمان ہی کے توسط سے قیامت تک آنے والے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے نازل کی گئی ہے.

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کو "امام" "اُمۃ" "قانت" اور "حنیف" جیسے معنی خیز ناموں سے موسوم کیا ہے. چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ "یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورے اتر گئے، تو اس نے کہا: "میں آپ کو سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں" ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"(۱). اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خبر دی ہے کہ اس نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کا امام بنایا ہے اور یہ کہ ان کی ذریت میں سے ظالم لوگ مرتبۂ امامت کو نہیں پا سکیں گے. اور ظالم وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کے ساتھ کسی اور کو شریک بنایا (گویا) ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کو لوگوں کی امامت عطا کرنے کا وعدۂ ربانی صرف مومنوں کے ساتھ ہے، مشرکین کے ساتھ نہیں ہے. ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (١٢٠) شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (١٢١) وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ "واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے پوری ایک امت تھے، اللہ کے مطیع فرمان اور یک سو، وہ کبھی مشرک نہ تھے. اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے. اللہ نے ان کو منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا، دنیا میں ان کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوں گے"(۲).

اس آیت مبارکہ میں "امۃ" کا مطلب ہے نمونہ اور دوسروں کی خیر اور بھلائی کے راستہ کی جانب

(۱) سورۃ البقرہ: ۱۲۴. (۲) سورۃ النحل: ۱۲۰-۱۲۲.

رہنمائی کرنے والا، "قانت" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا مطیع اور اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لینے والا، اور "حنیف" کا معنی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کی طرف توجہ کرنے والا اور اس کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرنے والا.

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام ہمارے پدر سوم اور حنفاء یعنی معبود واحد کے پرستاروں کے امام ہیں، اہل کتاب ان کو "عمود العالم" (یعنی دنیا میں موجود نسل انسانی کا اہم ستون) کہتے ہیں. تمام ملتوں کے لوگوں کا ابراہیم علیہ السلام کے مکرم ومعظم اور متولی وراہبر ہونے پر اتفاق ہے اور سب ان کی محبت کے قائل ہیں. ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے سب سے لائق انسان اور ان کے بہترین فرزند اور اولاد آدم کے سردار آخری محمد ﷺ بھی ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور عزت واحترام سے ان کا نام لیتے تھے. صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ایک روایت آئی ہے کہ "ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں آکر آپ ﷺ کو "یا خیر البریۃ" (یعنی اے وہ شخص جو مخلوقات میں سب سے بہتر ہے.) کہہ کر مخاطب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ذاك إبراهيم" "وہ تو ابراہیم کی ذات ہے". (۱) اور آپ نے ایک دوسری جگہ ابراہیم کو "شیخنا" (ہمارے شیخ) کہہ کر یاد کیا ہے.

صحیح بخاری میں مشہور تابعی سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ میدان حشر میں اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ تم ننگے سر، ننگے پاؤں اور غیر مختون ہوگے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ "جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے، یہ ایک وعدہ ہمارے ذمہ ہے اور یہ کام ہمیں بہر حال کرنا ہے" (۲). اور ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا" (۳).

---

(۱) صحیح مسلم: (۲۳۶۹)، سنن ابی داؤد: (۴۶۷۲)، سنن ترمذی: (۳۳۴۹)

(۲) سورۃ الأنبیاء: ۱۰۴.

(۳) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۸/ ۴۷۴۰)، صحیح مسلم: (۲۸۶۰).

نبی اکرم ﷺ ابراہیم علیہ السلام سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ تھے، جیسا کہ صحیحین میں آپ سے منقول ہے کہ: (رأيتُ إبراهيم فاذا أقرب الناس شبهاً به صاحبكم) ''میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، ان سے سب سے زیادہ مشابہ تمہارے ساتھی ہی ہیں''. یعنی خود نبی اکرم ﷺ. یہی حدیث دوسرے الفاظ میں اس طرح آئی ہے (وأما إبراهيم فانظروا إلى صاحبكم) ''ابراہیم کے خدوخال کا اندازہ لگانا چاہو تو اپنے ساتھی کو دیکھ لو''(۱).

اللہ کے رسول ﷺ اپنی صاحبزادی فاطمہ کے دونوں صاحبزادے حسن وحسین کو ہر قسم کی بیماری اور آفتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے وہی کلمات کہتے تھے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں بیٹے اسماعیل واسحاق علیہما السلام کے لئے کہا کرتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں مشہور تابعی سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حسن وحسین کے لئے ہر بیماری وآفت سے حفاظت کی یوں دعا کرتے تھے: (أعوذ بكلمات الله التامّة، من كل شيطان وهامّة، ومن كل عين لامة) ''میں اللہ تعالیٰ کے مکمل اور نافع کلمات کے ذریعہ پناہ طلب کرتا ہوں ان تمام شیاطین جن وانس سے جو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی آفت ومصیبت اور بیماری ووبا سے''(۲).

ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے مہمانوں کی ضیافت کا بہترین نمونہ پیش کیا، ختنہ کی سنت بھی انہیں سے جاری ہوئی، اور انہوں نے ہی سب سے پہلے سفید بال دیکھا تو اپنے رب سے پوچھا کہ ''یہ کیا ہے؟'' تو رب ذوالجلال نے کہا: ''یہ وقار ہے'' تو ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی (رب زدني وقاراً) ''اگر یہ وقار ہے تو اس میں اضافہ کر دیجئے''.

ابراہیم علیہ السلام کے گھر جب فرشتے معزز مہمانوں کی شکل میں اترے تھے اور انہوں نے ان اجنبی مہمانوں کے اکرام اور خاطر ومدارت کا جو نمونہ پیش کیا تھا، ذرا غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے اس سے خوش

(۱) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (۶/ ۳۴۳)، صحیح مسلم (۱۶۷).
(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری (۶/ ۳۳۷).

ہو کر کتنے اچھے انداز میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے. آیت کریمہ میں اُس موقع کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے. ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ(٢٤)إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ(٢٥)فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ (٢٦) فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ﴾ "اے نبی ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی آپ کو پہنچ چکی ہے؟ جب وہ ان کے یہاں آئے تو کہا آپ کو سلام ہے انہوں نے کہا" آپ لوگوں کو بھی سلام ہے. کچھ ناآشنا سے لوگ ہیں". پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لاکر مہمانوں کے آگے پیش کیا. انہوں نے کہا آپ حضرات کھاتے نہیں؟"(۱).

مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی ضیافت سے متعلق ان پندرہ نکات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جن سے ان کی عزت افزائی اور اللہ تعالیٰ کی زبان سے ان کی تعریف و توصیف کا پہلو عیاں ہوتا ہے.

اس آیت کریمہ سے آداب ضیافت کی جامع انداز میں وضاحت ہوتی ہے. اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دیگر آداب زندگی کے مقابلہ میں آداب ضیافت کی خاص اہمیت ہے، اس لئے کہ آداب ضیافت کو اشرف الآداب کہا گیا ہے اور ان حقیقی آداب ضیافت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ آداب ضیافت سے ناواقف لوگوں کی پیدا کردہ غیر ضروری تکلفات و تصنعات کے سوا کچھ نہیں. چنانچہ حقیقی آداب ضیافت کے رموز ونکات سے ابراہیم علیہ السلام کی واقفیت ہی ان کی عزت و شرف کے لئے کافی ہے. فصلى الله على نبينا وعلى إبراهيم وعلى آلهما وعلى سائر النبيين.

ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ انہیں جو کچھ حکم کیا گیا اسے پورا کر دیا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ(٣٦)وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ﴾ "کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسی کے صحیفوں اور ابراہیم کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہیں جنھوں نے وفا کا حق ادا کر دیا"(۲). ابن عباس نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا ہے " وَفَّىٰ" کا

---

(۱) سورۃ الذاریات: ۲۴-۲۷. (۲) سورۃ النجم: ۳۶-۳۷.

مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تمام قوانین اسلام کو (اپنے عمل کے ذریعہ) پورا کر دیا اور یہ کہ انہیں (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا) جو پیغام لوگوں تک پہنچانے کا حکم ملا تھا اسے پورا کر دیا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ ''یاد کیجئے جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورے اتر گئے تو اس نے کہا: ''میں آپ کو سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں''(۱). چنانچہ انہیں جن باتوں کا حکم ملا تھا ان پر عمل پیرا ہو کر جب انہیں پورا کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کا ایسا امام اور ایسا مرجع بنا دیا کہ سب ان کی امامت کو تسلیم کرتے ہیں.

ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایثار و فدائیت اور قربانی وللّٰہیت کا بے مثال نمونہ تھی، کسی نے ان کی پوری زندگی کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کیا ہے ''كان قلبه للرحمن، و ولده للقربان، وبدنه للنيران، و ماله للضيفان'' ''یعنی ان کا دل صرف رحمٰن کے لئے، ان کے لڑکے (اسماعیل اللہ تعالیٰ کے اشارہ پر) قربان ہونے کے لئے، ان کا جسم (اللہ کے حکم سے) آگ کی لپٹوں میں بے خطر کود پڑنے کے لئے اور ان کا مال (بلا استثناء) مہمانوں کی ضیافت کے لئے تھا''.

وہ ابراہیم علیہ السلام ہی کی ذات ہے جس نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور لوگوں کو اس گھر کا حج کرنے کی دعوت دی. چنانچہ اب قیامت تک جتنے حجاج کرام و معتمرین (عمرہ کرنے والے) بیت اللہ کی زیارت کریں گے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کو ان حجاج و معتمرین کی کثیر تعداد کے بقدر ثواب اور عزت و شرف سے نوازتا رہے گا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ ''اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو''(۲). اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اپنے نبی محمد ﷺ اور ان کی امت کو حکم دیا ہے کہ وہ ابراہیم علیہ

---

(۱) سورۃ البقرہ: ۱۲۴. (۲) سورۃ البقرہ: ۱۲۵.

السلام کی اقتدا کرتے ہوئے اور ان کی یاد کو زندہ رکھنے کی غرض سے مقام ابراہیم کو اپنی جائے نماز بنائیں. صلی اللہ علی نبینا و علیہ وسلم.

بنی نوع انسان کے امام اعظم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و مناقب کا احاطہ کرنے کے لئے پوری ایک کتاب ناکافی ہوگی تو بھلا چند صفحات میں انہیں کیسے سمیٹا جا سکتا ہے (ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

وقت ختم ہوا مدح ابھی باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے (۲)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے تقویٰ وللّٰہیت کی اقتدا کرنے والا بنائے اور ان لوگوں میں سے نہ بنائے جنہوں نے ان کی ملت سے اعراض کیا.

❖

(۲) مترجم

ایک مشہور مسئلہ

مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی اصل کتاب میں اس مسئلہ کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ نبی آخر الزمان محمد ﷺ ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں اس لئے وہ ''صلاۃ'' کیوں طلب کی گئی جو ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشبّہ بہ مشبّہ سے صفات اور خوبیوں میں برتر ہوتا ہے، اس لئے یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح دو متنافی امر کا اجتماع کیوں کر ہوا؟

اس سلسلہ میں اہل علم سے جو کچھ منقول ہے اسے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تفصیل سے نقل کرنے کے ساتھ اس بارے میں صحیح وغلط کی نشان دہی بھی کر دی ہے۔

اس بحث کو انہوں نے ان الفاظ پر ختم کیا ہے کہ ایک دوسرے گروہ کا یہ کہنا ہے کہ ''آل ابراہیم'' میں بہت سے جلیل القدر انبیائے کرام پیدا ہوئے ہیں جو ''آل محمد'' میں نہیں ہوئے ہیں، اس کا اعتبار کرتے ہوئے محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے جب ایسی رحمت طلب کی جائے گی جیسی ابراہیم اور ان کی آل پر کی گئی تو آل محمد کے حصہ میں اتنی ہی رحمت آئے گی جس کے وہ مستحق ہیں اور وہ رحمتیں مجموعی طور پر بہر حال آل ابراہیم پر نازل کی گئی رحمتوں سے کم ہی ہوں گی کیونکہ آل ابراہیم پر نازل کی گئی رحمتوں کا بقیہ حصہ اور خود ابراہیم پر نازل کی گئی رحمتیں دونوں مل کر جب محمد مصطفیٰ ﷺ کے حصہ میں آئیں گی تو پھر وہ مجموعی طور پر اتنی زیادہ ہوں گی کہ اتنی رحمتیں ان کے علاوہ کسی نبی کے حصے میں نہیں آئیں۔

خلاصہ کے طور پر اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جتنی رحمتیں ابراہیم اور ان کی آل کے حصہ میں آئی ہیں اگر ان کی مجموعی مقدار کو محمد ﷺ اور آپ کی آل پر تقسیم کیا جائے تو ظاہر ہے کہ آل محمد کے حصہ میں اتنی رحمتیں نہیں آئیں گی جتنی صرف آل ابراہیم کے حصہ میں آئی ہیں اس لئے کہ آل ابراہیم میں انبیاء بھی ہوئے ہیں۔ اس طرح آل ابراہیم کے حصہ میں آنے والی رحمتیں جب مجموعی طور پر محمد ﷺ کے حصہ میں آئیں گی تو واضح طور پر وہ اکیلے ابراہیم کے حصہ میں آنے والی رحمتوں سے زیادہ ہوں گی۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول اس مشہور مسئلہ کی وضاحت میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں

سب سے بہتر یہی بات ہے.

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے میں اس سے بھی بہتر تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ مسئلہ مذکورہ کو کچھ اس طرح سمجھا جائے کہ ''آل ابراہیم'' میں خود محمد ﷺ کی ذات گرامی بھی شامل ہے جب کہ وہ آل ابراہیم میں سب سے بہتر انسان ہیں جیسا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابو طلحہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ ءَادَمَ وَنُوحًا وَءَالَ إِبْرَاهِيمَ وَءَالَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ''اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا ہے''[1] کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہاں پر ''آل'' میں خود نبی اکرم ﷺ شامل ہیں کیونکہ اس نص قرآنی کے اعتبار سے جب ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے مبعوث ہونے والے تمام انبیائے کرام ''آل ابراہیم'' میں داخل ہیں تو پھر محمد ﷺ کی ذات گرامی بدرجہ اولیٰ اس میں شامل ہے (اس لئے کہ آپ ''آل ابراہیم'' میں سب سے بہتر انسان ہیں)، لہذا ہمارے اس قول (كما صليت على آل إبراهيم) ''میں نسل ابراہیمی سے مبعوث ہونے والے انبیائے کرام پر نازل کی جانے والی رحمتوں کے ساتھ ساتھ خود نبی اکرم محمد ﷺ پر نازل کی جانے والی بے پایاں رحمتیں بھی شامل ہیں.

مزید برآں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ خصوصی طور پر نبی آخر الزمان اور آپ کی آل پر اُس مقدار میں رحمت نازل کرنے کی دعا کریں جتنی کہ بشمول محمد ﷺ تمام آل ابراہیم علیہ السلام پر نازل کی گئی، اس طرح آل محمد ﷺ کے حصہ میں اتنی ہی رحمتیں آئیں گی جن کے وہ مستحق ہیں، باقی تمام رحمتیں اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کے لئے خاص ہو جائیں گی.

اس کو قدرے تفصیل سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے لئے اپنی جانب سے ''صلاۃ و سلام'' کو خاص طور سے بیان کیا ہے اور بندوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ نبی آخر الزمان کے لئے اُس مقدار میں رحمت کے نزول کی دعا کریں جتنی بشمول محمد ﷺ تمام آل ابراہیم علیہ السلام پر نازل کی گئی. لہذا اب اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ نبی اکرم کی ذات گرامی پر نازل کی جانے والی رحمتیں اور تمام آل ابراہیم پر نازل کی جانے والی رحمتیں مجموعی طور پر تنہا

(۱) سورۃ آل عمران: ۳۳.

آپ کی ذات گرامی پر نازل ہونے والی رحمتوں سے کہیں زیادہ مکمل ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کے حصہ میں "صلاۃ" کی جو مکمل اور افضل شکل آئی ہے وہ تنہا ابراہیم علیہ السلام کے حصہ میں نہیں آئی ہے، اس تاویل سے تشبیہ کا حقیقی فائدہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے قاعدہ کلیہ کی تطبیق میں کوئی رکاوٹ بھی پیدا نہیں ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "صلاۃ" کے ان الفاظ کے ذریعہ اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کے لئے رحمت و سلامتی کی جتنی عظیم اور کامل دعا مقصود ہے وہ دوسرے الفاظ سے ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ اگر دعائے رحمت سے یہ مقصود ہے کہ اللہ کے آخری نبی پر ابراہیم کے مثل رحمت کا نزول ہو، جب کہ انفرادی طور پر آپ کے حصہ میں ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ رحمتیں آئی ہیں، تو پھر وہ لامحالہ ابراہیم علیہ السلام اور دوسروں پر نازل ہونے والی رحمتوں سے زیادہ ہوں گی، کیونکہ پھر آپ کے حصہ میں ابراہیم علیہ السلام کے مثل رحمتوں کے ساتھ ساتھ وہ رحمتیں بھی آئیں گی جو انفرادی طور پر آپ کے حصہ میں سب سے زیادہ آئی ہیں۔

اس سے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی وہ فضیلت واہمیت واضح ہوتی ہے جو ان کے شایان شان ہے اور "صلاۃ" کے یہ الفاظ آپ کی اُس عظیم فضیلت وشرف پر بہتر طور پر دلالت کرنے والے اور اس کے متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت و سلامتی ہو آپ ﷺ اور آپ کی آل پر، اور امت محمدیہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ انہیں بہترین بدلہ عطا کرے۔

اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبرهيم إنك حميد مجيد و بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد.

محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر نزول برکت کا مفہوم

مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول ''برکۃ'' کا معنی ثبوت، لزوم اور استقرار ہے۔ اسی مادہ سے (بَرَكَ البعيرُ) اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ بیٹھنے کی ہیئت بنا کر زمین پر پوری طرح جم جائے اور (مَبْرك) بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ صاحب (الصحاح) کے بقول (بَرك الشئ) کا مطلب ہے کوئی چیز ثابت اور قائم ہوگئی۔ (البَرك) اونٹوں کی کثرت کے لئے بولا جاتا ہے۔ جوہری کے بقول باء کے کسرہ کے ساتھ (بِرْكة) حوض کے معنی میں ہے جس کی جمع (بِرَك) ہے حوض کو (البِرْكة) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی کا مستقر اور اس کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور (البَراكاء) کا معنی ہے جنگ میں ثابت قدم رہنا اور کامیابی کے لئے کوشش کرنا۔ شاعر بشر بن حازم کے بقول ؎

ولا ينجي من الغمرات إلا براكاءُ القتال أوالفرارُ(۱)

''یعنی جنگ کی سختیوں سے صرف وہی شخص بچ پاتا ہے جو اس میں یا تو ثابت قدم رہنے والا ہو یا اس سے راہ فرار اختیار کرنے والا ہو''۔

(البَركَةُ) کا معنی ہے زیادتی و افزائش اور (التبريك) کہتے ہیں برکت کی دعا کرنے کو۔ یہ لفظ بطور فعل اس طرح استعمال ہوتا ہے جیسے (بارك الله) ''اللہ اس کو برکت دے'' (بارك الله فيه) ''اللہ اس میں برکت دے''، (بارك الله عليه) ''اللہ اس پر برکت دے'' (بارك الله له) ''اللہ اس کے لئے برکت دے''، قرآن مجید میں اس کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں: ﴿أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ''مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور اس کے ماحول میں ہے (۲)'' اور ایک دوسری جگہ آیا ہے: ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ﴾ ''اسے اور اسحاق کو برکت دی (۳)'' اور ﴿بَارَكْنَا فِيهَا﴾ ''جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا''۔ (۴)

---

(۱) ملاحظہ ہو بشر بن حازم کا دیوان (ص ۷۹)۔

(۲) سورۃ النمل: ۸۔

(۳) سورۃ الصافات: ۱۱۳۔

(۴) سورۃ الأعراف: ۱۳۷۔

حدیث نبوی کے الفاظ ہیں: (وبارك لي فيما أعطيت)[۱] ''اے اللہ جو کچھ مجھے دیا ہے اس میں برکت دے'' اور سعد رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ہے (بارك الله لك في أهلك ومالك)[۲] ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اہل اور مال میں برکت دے''۔

''مبارک'' اس شخص کو کہا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے برکت سے نوازا ہو جیسے قرآن کریم میں عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوا ہے: ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں رہوں''[۳] اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی مبارک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ﴾ ''اور اب یہ بابرکت ''ذکر'' ہم نے نازل کیا ہے''[۴]. اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ﴾ ''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری

---

(۱) مسند احمد: (۱/۱۹۹-۲۰۰)، سنن ابی داؤد: (۱۴۲۵)، سنن ترمذی: (۴۶۴)، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے. سنن نسائی: (۳/۲۴۸)، سنن ابن ماجہ: (۱۱۷۸)، سنن دارمی: (۱/۳۷۳) میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: "علمني رسول الله ﷺ كلمات أقولهن في الوتر: اللهم اهدني فيمن هديت..." مستدرک حاکم: (۳/۱۷۲) میں اسے صحیح قرار دیا گیا ہے. امام ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے.

(۲) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۷/۳۹۳)، مسند احمد: (۳/۱۹۰، ۲۷۱) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو نبی ﷺ نے انہیں اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ کرایا. سعد بہت ہی دولت مند تھے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: انصار اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ مال دار ہوں، میں اسے اپنے اور تمہارے مابین نصف نصف تقسیم کر دیتا ہوں، اور میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمہیں پسند آ جائے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزر جانے کے بعد تم اس سے شادی کر لینا. عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ آپ کے اہل و عیال اور دولت کے اندر برکت عطا کرے، اور وہ اس دن بازار سے گھی اور پنیر کے منافع کے ساتھ لوٹے، چند ہی دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر زرد نشان دیکھ کر پوچھا: ''یہ کیسا نشان ہے؟'' کہا: میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے. آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے مہر میں اسے کیا دیا ہے؟'' کہا: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری سے سہی''.

(۳) سورۃ مریم: ۳۱.　　(۴) سورۃ الأنبیاء: ۵۰.

طرف نازل کی ہے"۔(۱) قرآن مجید چونکہ سرچشمۂ خیر و برکت ہے اس لئے یہ کتاب مقدس "مبارک" کہی جانے کی ہر چیز سے زیادہ حقدار ہے. خود اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس مادہ سے جو لفظ استعمال ہوگا وہ "تبارک" ہے. اس ذات واحد کے لئے لفظ "مبارک" استعمال نہیں ہوگا.

بشمول جوہری ایک گروہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ "تبارک" "بارک" کے معنی میں ہے جیسے "تقاتل" بمعنی "قاتل" ہے، مگر ان دونوں اوزان میں فرق یہ ہے کہ "فاعل" کے وزن پر آنے والے افعال متعدی ہوتے ہیں اور "تفاعل" کے وزن پر آنے والے افعال لازم ہوتے ہیں، لیکن محققین نے اس رائے کو غلطی پر محمول کیا ہے اور اصل یہ ہے کہ "تبارک" "البرکۃ" سے "تفاعل" کے وزن پر ہے اور اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی وہ ثنا مقصود ہے جس کا سبب اس کی وہ صفات کمال ہیں جو صرف اسی کے لئے مخصوص ہیں جیسے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لئے استعمال ہونے والا لفظ "تعالیٰ" جو "العلو" سے "تفاعل" کے وزن پر ہے. اسی لئے ان دونوں الفاظ کو عام طور پر ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی "تبارک و تعالیٰ". دعائے قنوت میں یہ الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں یعنی "تبارکت و تعالیت" اللہ تعالیٰ کی پاک اور بے عیب ذات کے لئے یہ لفظ سب سے زیادہ لائق و مناسب بھی ہے، اس لئے کہ ہر قسم کی خیر و برکت اسی کے ہاتھوں میں ہے، اور ہر خیر کا وجود اسی سے ہے. اس کی تمام صفات صفات کمال ہیں اور اس کے تمام کام مبنی بر حکمت، باعث رحمت اور خیر و صلاح کے پہلوؤں سے آراستہ ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے (والشرُّ ليس إليك)(۲) "تیری ذات پاک سے شر کا وجود نہیں ہے" اللہ تعالیٰ کے افعال شر سے پاک ہیں، شر کا وجود اس کی مخلوقات کے اندر ہے. جب اللہ کے بندوں کو سرچشمۂ خیر و برکت اور دوسروں کے لئے نفع بخش ہونے کی وجہ سے "مبارک" کہا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات "متبارک" کہے جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہے. اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء مقصود ہے جس سے اس کی بے پایاں عظمت و رفعت اور اس کی لامحدودیت کا نقش دلوں پر بیٹھے. اسی طرح

(۱) سورۃ ص: ۲۹

(۲) صحیح مسلم: (۷۷۱)، سنن نسائی: (۲/۱۹۹، ۱۳۰)

اللہ تعالیٰ کے لئے "تعاظم و تعالیٰ" بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس ذات واحد کے لئے استعمال ہونے والے تمام الفاظ اس کی عظمت، اس کے دوام، اس کی صفاتِ کمال اور اس ذات کے مرکزِ خیر و برکت ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اور یہ معنی خیز الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ آغاز عالم سے لے کر اس کی انتہا تک "نافعیت" کا وجود ہی اس پاک اور بے عیب ذات کی رہین منت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے بطور فعل "تبارک" کا استعمال اس کی عظمت، اس کے جلال اور اس کے علو شان کو ظاہر کرتا ہے، اسی لئے اللہ نے اپنے لئے اس لفظ کا استعمال عام طور پر اس جگہ کیا ہے جہاں بندوں کے سامنے اپنی عظمت و کبریائی کا اظہار مقصود ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ "درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اپنے تختِ سلطنت (عرش) پر جلوہ فرما ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، جس نے سورج چاند اور تارے پیدا کئے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار ہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے"(۱)۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ "نہایت بابرکت ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندہ پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کردینے والا ہو"(۲)۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ "تبارک" کے ساتھ اپنی ان صفات اور خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو نہ صرف قابل تعریف ہیں، بلکہ صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً اس کی عظمت و جلال، حاکمیت و قدرت، اس کا قرآن کو نازل کرنا، جہانوں کو وجود بخشنا، حکم و اختیار میں اس کا منفرد ہونا اور اس کی کمالِ قدرت، یہ تمام اس ذات واحد کے وہ کارنامے ہیں جو اس کی ربوبیت و الوہیت اور اس کی عظیم حکمت و

(۱) سورۃ الأعراف: ۵۴۔ (۲) سورۃ الفرقان: ۱۔

کمالِ قدرت پر دلالت کرتے ہیں.

اسی لئے ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "تبارک" "تعالٰی" کا ہم معنی ہے اور ابو عباس کا قول ہے کہ "تبارک" بمعنی "ارتفع" (وہ بلند ہوا) اور "المبارک" بمعنی "المرتفع" (بلند) ہے. اسی طرح ابن الانباری نے "تبارک" کو "تقدس" کے معنی میں، ضحاک نے "تعظّم" کے معنی میں اور خلیل بن احمد نے "تمجّد" کے معنی میں استعمال کیا ہے. اور حسن کی رائے میں "تبارک" اس ذات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کی جانب سے برکت کا نزول ہو، اور حسین بن فضل کے بقول "تبارک" کا معنی ہے (تبارك في ذاته و بارك من شاء من خلقه) "یعنی اللہ تعالٰی کی ذات اپنے آپ میں بابرکت ہے، اور اپنی مخلوقات میں سے وہ جس پر چاہتا ہے برکت نازل کرتا ہے" امام ابن قیم نے حسین بن فضل کے اس قول کو سب سے بہتر قول قرار دیا ہے. چنانچہ اللہ تعالٰی کے لئے لفظ "تبارک" کا استعمال اس کی صفتِ ذاتی اور صفتِ فعلی دونوں پر دلالت کرتا ہے . ابن عطیہ کے نزدیک اس کا معنی (عظم و كثرت بركاته) "اللہ کی ذات عظیم ہے اور اس کی برکتیں بے شمار ہیں"، اور صرف اللہ تعالٰی کی ذات کے لئے ہی اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے.

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے (وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم) کے الفاظ سے جس برکت کی دعا کی جاتی ہے اس میں یہ شامل ہے کہ اللہ تعالٰی انہیں ایسی خیر و برکت عطا کرے جیسی اس نے آل ابراہیم کو عطا کی نیز یہ کہ اس خیر و برکت کو قائم و دائم رکھے اور اس میں کئی گنا اضافہ کرتا رہے، لفظ "برکۃ" کی یہی حقیقت ہے.

اللہ تعالٰی نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کے بارے میں کہا ہے: ﴿وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ (۱۱۲) وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ﴾ "اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی، جو انبیائے صالحین میں سے ایک نبی ہوں گے اور انہیں اور اسحاق کو برکت دی"(۱).

اور ابراہیم علیہ السلام کے بیت کے سلسلہ میں فرمایا: ﴿رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾ "ابراہیم کے گھروالو، تم لوگوں پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے"(۲).

(۱) سورۃ الصافات: ۱۱۲، ۱۱۳.   (۲) سورۃ ہود: ۷۳.

قرآن کریم کے ان الفاظ پر ذرا غور کیجئے: ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ﴾ یہاں برکت کے نزول کے ضمن میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اسماعیل کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن تورات میں نزول برکت کے لئے اسماعیل علیہ السلام کا نام صراحت کے ساتھ مذکور ہے اور وہاں اسحاق علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔ تورات میں اسماعیل علیہ السلام کے لئے برکت کا ذکر ان کے آل واولاد پر نازل کی جانے والی خیر وبرکت کو بتانے کے لئے ہے، خاص طور سے وہ عظیم الشان اور بے پایاں برکتیں جو ان کے سب سے بہترین فرزند اور گلستانِ ابراہیمی کے گلِ سرسبد محمد ﷺ پر نازل کی گئیں۔ چنانچہ تورات میں اسماعیل علیہ السلام کے لئے برکت کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو یہ خبر دی ہے کہ برکت کے نزول کا سلسلہ آل اسماعیل کے لئے برابر جاری رہے گا، تا آنکہ ان کے بہترین فرزند اور آخری رسول محمد ﷺ پر ان کے شایانِ شان رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو گا۔

اور قرآن کریم میں اسحاق علیہ السلام پر نزول برکت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ ان پر اور ان کی آل میں سے جو لوگ حق پرست تھے ان پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئی ہیں، خاص طور پر ان کی نسل میں پیدا ہونے والے نبی موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام پر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کتابِ ہدایت دی تھی اور بندوں تک جو پیغام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تھی اسے کما حقہ انہوں نے ادا کیا۔ انہوں نے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور رسول کی رسالت کی تصدیق کرنے کو کہا۔ قرآن کریم میں اسحاق علیہ السلام کے مبارک تذکرہ سے مسلمانوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ وہ اس مبارک گھرانے خاص طور سے ان میں جو انبیائے کرام ہوئے ہیں ان کے حقوق اور عزت واحترام کو پہچانیں، چنانچہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ تو بنی اسرائیل کے انبیائے کرام تھے، ہمارا ان سے کیا تعلق، نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ کے تمام انبیائے کرام کا احترام اور ان کی توقیر تمام مسلمانوں کے اوپر لازم ہے۔ ہمارا دین اسلام ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم ان سب پر ایمان لائیں، ان سے محبت کریں، ان سے اپنے تعلق کا اظہار کریں اور ان کے شایانِ شان ان کی تعریف کریں، صلوات اللہ وسلامہ علیہم أجمعین۔

چونکہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ مبارک وپاکیزہ گھرانہ مرتبہ ومقام میں دنیا کے تمام گھرانوں سے افضل واشرف ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس گھرانہ کو چند ایسی خصوصیات عطا کی ہیں جو کسی اور گھرانہ کے حصہ میں

نہیں آئیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس مبارک گھرانہ کے لئے نبوت و رسالت کو خاص کر دیا، لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی انبیاء و رسل مبعوث کئے گئے ان سب کا تعلق خانوادۂ براہیمی ہی سے تھا.

(۲) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہی نسل میں رشد و ہدایت کے ایسے ائمہ کرام پیدا کئے جو قیامت تک لوگوں کی راہِ راست کی جانب رہنمائی کرنے والے ہیں، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد جسے بھی اللہ کا تقرب حاصل ہوا اور وہ جنت میں داخلہ کا مستحق ٹھہرا تو وہ دراصل ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوتِ توحید ہی کا ثمرہ ہے اور ملت براہیمی کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہی وہ اس انعام کا مستحق ہوا.

(۳) اللہ تعالیٰ نے اسی گھرانہ کے دو افراد کو اپنا "خلیل" منتخب کیا یعنی ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ کو. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً﴾ "اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنا لیا"[۱] اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے (إن الله اتخذني خليلاً كما اتخذ إبراهيم خليلا) "اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا دوست بنایا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا تھا"[۲] یہ اعزاز بھی صرف خانوادۂ براہیمی ہی کو حاصل ہے.

(۴) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانہ کے مرد اول کو ساری دنیا کے انسانوں کا امام مقرر کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ "یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورے اتر گئے تو اس نے کہا: میں آپ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"[۳].

(۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام ہی کے ہاتھوں اپنے اُس گھر کی تعمیر کرائی جسے لوگوں کے لئے

---

(۱) سورۃ النساء: ۱۲۵.

(۲) حدیث مذکور کے یہ الفاظ صحیح مسلم: (۵۳۲) کے ہیں. صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں اللہ کے رسول کے آخری خطبہ کے الفاظ ابو سعید خدری کے حوالہ سے اس طرح نقل کئے گئے ہیں: "أما بعد أيها الناس فلو كنت متخذاً من أهل الأرض خليلاً لا تخذت أبا بكر بن أبي قحافة خليلاً و لكن صاحبكم خليل الله".

(۳) سورۃ البقرہ: ۱۲۴.

قبلۂ اول اور مقام حج و زیارت قرار دیا گویا بیت اللہ کا ظہور ابراہیم علیہ السلام ہی کے معزز گھرانہ کے ذریعہ ہوا.

(۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اہل بیت محمد (ﷺ) پر ویسی ہی رحمت کے نزول کی دعا کرنے کو کہا ہے جیسی اس نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر کی، چنانچہ نزولِ رحمت کی تمثیل کا یہ اعزاز بھی ابراہیم علیہ السلام ہی کے گھرانہ کے لئے خاص ہوگیا.

(۷) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے گھرانہ سے دو عظیم ترین امتیں پیدا کیں اور وہ موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کی امتیں ہیں. امت محمدیہ ستر امتوں کے سلسلے کو مکمل کرنے والی اور ان سب میں سب سے افضل واکرم ہے. (۱)

(۸) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھرانے کا ذکر جمیل اور ان کی بہترین تعریف وستائش کا سلسلہ قیامت تک باقی رہنے کا فیصلہ کر دیا، چنانچہ آج بھی جب کسی صاحب ایمان کی زبان پر اس معزز گھرانہ میں سے کسی فرد کا تذکرہ آتا ہے تو ساتھ میں ان کی شایان شان تعریف کی جاتی ہے اور ان کے لئے اللہ کی رحمت وسلامتی کی دعا کی جاتی ہے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الآخِرِينَ(١٠٨) سَلاَمٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ(١٠٩) كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ "اور اس کی تعریف وتوصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی، سلام ہے ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں" (۲).

(۹) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے سے تعلق رکھنے والے افراد کو نیک وصالح اور شقی وبدبخت لوگوں کے درمیان تمیز کا معیار بنا دیا. چنانچہ نیکوکار اور سعید وہ لوگ ہیں جو ان کی اتباع کرنے والے، ان سے محبت اور اپنے تعلق کا اظہار کرنے والے ہیں، اور بُرے وبدبخت وہ لوگ ہیں جو ان سے بغض رکھنے والے، ان سے اعراض کرنے والے اور ان سے عداوت رکھنے والے ہیں. اللہ تعالیٰ نے جنت کو خانوادۂ ابراہیمی اور ان کے متبعین

---

(۱) مسند احمد: (۵/۵)، سنن ترمذی: (۳۰۰۴)، امام ترمذی نے سند کو حسن قرار دیا ہے یہ روایت بهز بن حكيم عن أبيه عن جده کے طریق سے ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کی تفسیر میں یہ کہتے ہوئے سنا: "إنكم تتمون سبعين، أنتم خيرها وأكرمها على الله".

(۲) سورۃ الصافات: ۱۰۸-۱۱۰.

کے لئے، اور جہنم کو ان کے اعداء و مخالفین کے لئے بنایا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانہ کے ممتاز افراد کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ہم رشتہ کیا ہے، چنانچہ لوگ کہتے ہیں (إبراهيم خليل الله و رسوله و نبيه)، (محمد رسول الله وخليله ونبيه) اور (موسى كليم الله ورسوله) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر اپنی گراں قدر نعمتوں کو شمار کراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ "اور آپ کی خاطر آپ کے ذکر کا آواز بلند کر دیا"(۱)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: "وإذاذُكِرتُ ذُكِرْتَ مَعِي" یعنی جب جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا تذکرہ بھی ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے وفا ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ کلمۂ لاالہ الااللہ کے ساتھ اس کے دوسرے جزء محمد رسول اللہ کو لازم و ملزوم کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ اسی طرح اذان میں، خطبے میں اور تشہدات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اپنے آخری نبی محمد ﷺ کے ذکر کو شامل کر دیا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے خانوادۂ براہیمی کو بہت سے انسانوں کی نجات اور دنیا و آخرت میں کامرانی کا ذریعہ بنایا ہے، کیونکہ اس گھرانہ سے تعلق رکھنے والے انبیائے کرام اور ائمہ عظام کے ہاتھوں لوگوں نے گمراہی سے نکل کر راہِ راست پر چلنا سیکھا، اس اعتبار سے اس امت کے اوپر اس گھرانہ کے افراد کے جو احسانات ہیں نہ تو ان کا شمار ممکن ہے اور نہ ہی اس امت کے اگلے پچھلے لوگ ان احسانات سے گلو خلاصی کا دعوی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی خانوادۂ براہیمی کو ان عظیم احسانات کا بہترین صلہ عطا کرے گا۔

(۱۲) ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے اب تک دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے جو کام انجام پا رہے ہیں اور اعمالِ صالحہ و نافعہ کی جو شکلیں وجود میں آ رہی ہیں سب کے مصدر اول ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد ان کی نسل سے مبعوث ہونے والے انبیائے کرام ہیں، اس لئے کہ ساری دنیا بحر ضلالت و گمراہی میں غرق ہو جانے کے بعد از سر نو اللہ کی مشیت سے ان انبیائے کرام کے ذریعہ ساحلِ نجات کو پانے میں کامیاب ہوئی، لہذا اب قیامت تک جو بھی نیک اعمال اس دنیا میں انجام پائیں گے تو ہر نیک عمل کرنے والے کے برابر اس گھرانہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اجر و ثواب ملے گا، پاک و بے عیب ہے وہ

(۱) سورۃ الشرح: ۴۔

ذات جس نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا اپنے فضل خاص کا مستحق بنا دیا.

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے تقرب ورضاجوئی کے تمام راستوں کو بند کر دیا سوائے ایک راستہ کے اور وہ وہی راستہ ہے جس پر چل کر ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو اللہ کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل ہوئی، لہذا اب تقرب الٰہی کے خواستگاروں کے لئے ملت براہیمی کی پیروی کے علاوہ گوہر مقصود کو پانے کے لئے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے.

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانہ کے افراد کو جو علم و آگہی عطا کی وہ دنیا کے کسی اور گھرانہ کے حصہ میں نہیں آئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء و صفات، اس کے احکامات اور اس کی قدرتوں، اس کے جزا وسزا، اس کے فرشتوں اور دیگر مخلوقات اور اس کے غصہ و ناراضگی اور رضاوپسندیدگی کے مواقع کا جو علم اس گھرانہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو دیا گیا دنیا میں کسی اور خاندان کے افراد کو نہیں حاصل ہوا، پاک اور بے عیب ہے وہ ذات جس نے خانوادۂ براہیمی کو اگلوں اور پچھلوں سب کے برابر علم عطا کیا.

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو اپنی قربت و محبت عطا کر کے مقامِ توحید کی جس بلندی پر فائز کیا وہ کسی اور گھرانے کے افراد کے حصہ میں نہیں آیا.

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانہ کو زمین پر مستحکم حیثیت کا مالک بنایا اور اپنا جانشین مقرر کیا نیز دوسرے لوگوں کو ان کی اطاعت پر اس طرح مائل کر دیا کہ تاریخ انسانی میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے.

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے اس خانوادہ کو مشکل حالات میں اپنی نصرت و تائید عطا کی اور دشمنوں کے خلاف انہیں بے مثال کامیابی سے نوازا.

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے اس خانوادہ کے افراد کے ہاتھوں زیغ و ضلال کی تیرہ و تاریک راہوں پر بھٹکنے والوں اور نجاست شرک سے آلودہ لوگوں کے مسموم اثرات کو مٹا دیا، یہ شرف و فضیلت بھی خانوادۂ براہیمی کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہیں آئی.

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کے افراد کی محبت اور ان کی تعظیم وتکریم کے انمٹ نقوش انسانی قلوب پر اس طرح ثبت کر دیئے کہ اس خصوصیت میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں ہے.

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے نسل براہیمی کی سنتوں اور ان کے آثار و نشان کی بقا پر سارے عالم کی بقا کو منحصر کر دیا ہے،

چنانچہ جب تک اس عظیم خاندان کے عظیم افراد کے آثار ونشان اس عالم رنگ وبو میں باقی رہیں گے دنیا کا وجود باقی رہے گا، لیکن جب ان کے آثار ونشان اس دنیا سے مٹا دیئے جائیں گے تو وہ دنیا کی تباہی وبربادی کا وقت موعود ہوگا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے مکان محترم کعبہ کو لوگوں کے لئے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہ حرام اور قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی (اس کام میں معاون بنادیا)"(۱).

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر کبھی اجتماعی طور پر مسلمانوں نے فریضۂ حج کو ترک کر دیا تو آسمان زمین پر آگرے گا، اور انہیں کا قول ہے: "اگر لوگوں نے اجتماعی طور پر فریضۂ حج کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر کرنا چھوڑ دے گا". اور اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ نے خبر دی ہے "اللہ تعالیٰ آخری دور میں اپنے گھر کو زمین سے اور اپنے کلام کو مصاحف اور حفاظ کے سینوں سے اٹھالے گا"(۲). اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں بچے گا جس کا حج کیا جائے اور نہ کوئی ایسا کلام باقی رہے گا جس کی لوگ تلاوت کریں اور وہ دنیا کی تباہی کا وقت ہوگا. آج بھی دنیا صرف اس وجہ سے قائم ہے اور دنیا کے لوگ اس وجہ سے باقی ہیں کہ اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ کے آثار ونشان اس دنیا میں ابھی موجود ہیں اور لوگ ان پر نازل ہونے والی شریعت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں، آج بھی شریعت محمدی کی بقا اور اس کی اتباع ہی پر لوگوں کی فلاح وبہبود اور ان سے شر ورفتن کے دفاع کا دارومدار ہے، اور اس شریعت کو بالکل چھوڑ دینے یا اس سے اعراض کر کے کسی دوسرے دستور حیات کو اپنا لینے یا اس حقیقی شریعت میں اپنی طرف سے من مانی کرنے کی وجہ سے لوگوں کو ہلاکت وبربادی اور شرورفتن کا سامنا ہے.

اگر آج بھی کوئی شخص مسلمانوں کے کسی گروہ پر یا ان کی کسی سر زمین پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۹۷.

(۲) سنن ابن ماجہ: (۴۰۴۹) میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "اسلام کو مٹا دیا جائیگا، جس طرح سے کپڑے کے نشانات مٹا دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ نماز، روزہ، زکوۃ سب بھلا دیئے جائیں گے، اور قرآن پہ ایک ایسی رات آئے گی کہ اس کی ایک آیت بھی زمین پر باقی نہیں رہے گی.... "بوصیری نے "زوائد" میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، حاکم نے اس کی تخریج کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، بیہقی نے "شعب الایمان" میں اور ضیاء مقدسی نے "مختارۃ" میں اسے روایت کیا ہے.

اعدائے اسلام کو مسلط کرنے کی حکمت پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے پیچھے صرف ایک ہی سبب کار فرما ہے اور وہ ہے ان مسلمانوں کی جانب سے نبی آخر الزمان کے لائے ہوئے اللہ کے پسندیدہ دین، اس کی سنت اور اس کی شریعت کو پس پشت ڈال دینا. جب مسلمان کہلانے والی قوم اس عظیم جرم کا ارتکاب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے ظالموں کو مسلط کر دیتا ہے جو انہیں موت کے گھاٹ اتارتے ہیں اور اللہ کی زمین پر اس کے قانون کا مذاق اڑانے کا انتقام لیتے ہیں. لیکن جن علاقوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی سنتیں زندہ ہیں اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر لوگ عمل کر رہے ہیں تو ایسی جگہوں پر عام طور پر لوگوں کو ان آزمائشوں کا سامنا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی قدرت کاملہ سے تمام شرور و فتن کو ان سے دفع کر دیتی ہے.

یہ وہ خصوصیات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے پاکیزہ گھرانہ کو سرفراز کیا ہے اور اس سے بھی کئی گنا زیادہ اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نبی کریم ﷺ کے خانوادہ کے لئے ہیں. اسی لئے اللہ کے آخری رسول نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان کے لئے اور ان کی آل کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہم ایسی برکت کی دعا کریں جیسی اس نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے عظیم گھرانہ پر نازل کی. صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین.

ابراہیم علیہ السلام کے گھرانہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے افراد کے ہاتھوں دنیا اور آخرت کی ایسی برکتوں کو ظاہر کیا جس کا ظہور کسی اور گھرانے کے افراد کے ہاتھوں نہیں ہوا.

اس گھرانہ کا یہ بھی ایک طرۂ امتیاز ہے کہ جو خصوصیات اس کے افراد کو حاصل ہوئیں، کسی اور کو حاصل نہیں ہوئیں، کیونکہ وہ انبیائے کرام اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن میں سے کسی کو خلیل اللہ، کسی کو ذبیح اللہ اور کسی کو کلیم اللہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، اور اسی خاندان کے ایک فرد کو اللہ نے (قرّبہ نجیًّا) کا اعزاز بخشا، اسی خانوادہ کے ایک سپوت کو حسن انسانی کا ایک حصہ عنایت کیا اور لوگوں میں معزز و مکرم بنایا، اسی کے ایک فرد کو ایسی وسیع و عریض سلطنت عطا کی کہ ویسی کسی اور کو نہیں عطا کی گئی. اسی کے ایک فرد کو اللہ نے ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ کی سند عطا کی.

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اس ممتاز ترین نبوی گھرانے اور اس سے تعلق رکھنے والے افراد کا جہاں بھی

ذکر کیا ہے وہاں یہ بات واضح کردی ہے کہ اس نے اس خاندان کے لوگوں کو دنیا کے سارے انسانوں پر فضیلت وفوقیت عطا کی ہے۔

اس خانوادہ کا ایک مابہ الامتیاز وصف اور زمین پر بسنے والے انسانوں پر اس کے فضل واحسان اور اس کی برکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان سے انبیاء کرام کو مبعوث کرنے کے بعد اہل زمین کو تکذیب انبیاء کی پاداش میں عذاب عام کے ذریعہ ہلاک کرنے کی سنت کو اٹھالیا۔ ابراہیم علیہ السلام سے قبل زمین والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب بھی اس نے کسی قوم میں کوئی نبی مبعوث کیا اور لوگوں نے اس کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں عذاب عام کے ذریعہ ہلاک کردیا۔ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کی یہ سنت قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط پر جاری ہو چکی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے چیدہ انبیائے کرام پر تورات، انجیل اور قرآن کریم نازل کرنے کے بعد عذابِ عام کے ذریعہ مکذبین و معاندینِ دین حنیف کو ہلاک کرنے کی سنت ختم کردی، اور متبعین ملت براہیمی کو مخالفین اور مکذبین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا، اور ان انبیائے کرام ہی کی برکت سے متبعین دین حنیف کے لئے اپنی نصرت و تائید اور ان کے دشمنوں کے لئے انہیں کے ہاتھوں ہلاکت و بربادی مقدر کردی، نیز ان میں سے بعض کے دلوں کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کرکے انہیں شہداء و صالحین کا بلند مرتبہ عطا کیا، تاکہ ان نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے لوگ حُبّ الٰہی کی لذت سے سرشار ہوسکیں، لہٰذا جس عظیم خانوادہ کے یہ فضائل و مناقب ہوں اس کا یہ حق بنتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف و توصیف، تکریم و تعظیم اور ان پر صلاۃ و سلام میں ہمیشہ رطب اللسان رہیں اور دل ان کے اکرام و محبت کے جذبہ سے معمور ہو، اور ان پر درود بھیجنے والے کو ہمیشہ یہ احساس رہے کہ وہ اگر اپنی حیاتِ مستعار کی آخری سانس تک بھی ان پر صلاۃ و سلام کی صورت میں گلہائے عقیدت نچھاور کرتا رہے گا تب بھی ان کے بے پایاں حقوق میں سے تھوڑا سا حصہ بھی ادا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مخلوقات کی جانب سے بہترین بدلہ عطا کرے اور ملاء اعلیٰ میں ان کی تعظیم و تکریم اور عزت افزائی میں اضافہ کرے، اور ان پر اپنی رحمت و سلامتی کی ایسی برکھا برسائے کہ اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو۔

درود کے آخر میں اسمائے حسنیٰ "حمید ومجید" کو لانے کی حکمت

"الحمید" "الحمد" سے فَعیل کے وزن پر بمعنی محمود ہے "فَعیل" کے وزن پر آنے والے اللہ تعالیٰ کے اکثر وبیشتر اسمائے حسنیٰ فاعل کے معنی میں آئے ہیں، جیسے کہ سمیع، بصیر، علیم، قدیر، علي، حکیم اور حلیم وغیرہ۔ اسی طرح "فَعُول" کے وزن پر آنے والے اسمائے حسنیٰ غفور، شکور اور صبور بھی فاعل کے معنی میں ہیں لیکن "حمید" اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ ذات جو قابل ستائش اور محمود ہے۔

"حمید" سے مراد وہ ذات ہے جس کے اندر صفات حمد بدرجۂ اتم موجود ہوں جو اس کے "محمود" ہونے کے متقاضی ہوں اور اس پر دلالت کرتے ہوں۔ اگر دوسرے لوگ اس کی تعریف نہ بھی کریں تب بھی وہ ذات اپنے آپ میں "حمید" یعنی قابل ستائش ہے اور اگر دوسرے لوگ اس کی تعریف و توصیف کرتے ہیں تو پھر وہ ذات "محمود" بھی کہلائے گی۔ یہی فرق مجید و ممجَّد اور کبیر و مُکبَّر عظیم و مُعظَّم کے درمیان بھی ہے۔

"حمد ومجد" کمالات کی آخری حد اور اس کا نقطۂ عروج ہے، کیونکہ حامد کی حمد کو حمد اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب کہ محمود کی محبت اس کے دل میں ہو اور زبان اس کی تعریف و توصیف کے ذریعہ اس کی گواہی دے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کو کسی سے محبت تو ہے لیکن آپ اس کی تعریف و توصیف پر آمادہ نہیں ہیں تو آپ کو اس کا "حامد" نہیں کہا جائے گا، حتیٰ کہ آپ اس کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی اس کی تعریف و توصیف کے ذریعہ دلی محبت کا ثبوت پیش کریں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محمود کی حمد و ثنا اور اس کی محبت کے پیچھے کچھ اسباب ہوتے ہیں اور وہ اسباب محمود کے اندر پائی جانے والی صفات کمال، اس کا جاہ و جلال اور دوسروں کے اوپر اس کے عظیم احسانات ہیں۔ محمود کی تعریف و توصیف اور اس کی محبت کے پسِ پردہ دراصل یہی بنیادی اسباب ہیں۔ محمود کے اندر صفاتِ کمال جتنی زیادہ کامل اور جامع شکل میں موجود ہوں گی وہ اتنی ہی عظیم اور بے مثال محبت کا مستحق ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان تمام صفات کمال کی جامعیت کا ایسا نادر نمونہ ہے کہ اس میں ادنیٰ نقص کا تصور محال ہے، ساری کائنات صرف اور صرف اسی کے بے شمار احسانات کے زیر بار ہے اس لئے ہر قسم کی حمد و ثنا اور محبت اسی ذات کو

لائق وزیبا ہے. اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی یکتائے روزگار ذات، اس کے بلند و بالا اسماء و صفات اور اس جہان آب و گل میں اس کی قدرت کی کاریگری کے نقوشِ محبت دلوں پر ثبت ہو جائیں اور دونوں جہانوں پر اس کے عظیم احسانات اور اس کے کارخانۂ قدرت سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہونے والے عجائبات کو دل و جان سے عزیز تر سمجھا جائے.

"مجد" کے اندر عظمت و قدرت اور جاہ و جلال لازمی طور پر شامل ہیں اور "حمد" صفاتِ اکرام پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر دونوں صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں یعنی وہ "ذوالجلال و الاکرام" ہے. کوئی بندہ جب "لا إلہ إلا اللہ واللہ اکبر" کہتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اس کی تعظیم و تکریم کا بھی اعتراف کرتا ہے اور اس کے جاہ و جلال کو بھی تسلیم کرتا ہے، کیونکہ کلمۂ "لا إلہ إلا اللہ" صفت الوہیت میں اس کے منفرد ہونے پر دلالت کرتا ہے، لہذا اس ذاتِ واحد کی الوہیت کا قائل ہونے کے بعد دل اس کی بھرپور محبت سے لازمی طور پر سرشار ہو جاتا ہے اور "اللہ اکبر" سے اس کے جاہ و جلال اور اس کی عظمت و کبریائی کا اظہار ہوتا ہے جو اس کے "مجید" ہونے پر دلالت کرتا ہے. اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر اپنی ان دونوں خوبیوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے. اس کا ارشاد ہے: ﴿رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ (۱) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾ "اور کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو اور اس کی بڑائی بیان کیجئے کمال درجے کی بڑائی" (۲).

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بصراحت اپنے بندوں کو اپنی حمد و ثنا اور اپنے لئے اظہار کبریائی کا حکم دیا ہے. سورہ رحمٰن کی ایک آیت ہے: ﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ "بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل و کریم کا نام" (۳) اور اسی سورہ کی ایک دوسری آیت ہے: ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ

---

(۱) سورۃ ہود: ۷۳. (۲) سورۃ الاسراء: ۱۱۱.
(۳) سورۃ الرحمان: ۷۸.

ذُوالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ﴾ "اور صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے"(۱).

مسند احمد اور صحیح ابی حاتم وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ (ألظّوابيا ذالجلال والإكرام)(۲) یعنی اس تسبیح کی پابندی کرو اور اس سے چمٹ جاؤ. اس لئے کہ "الجلال والإكرام" "الحمد والمجد" کے مترادف ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾ "میرا رب بے نیاز اور کریم ہے"(۳) اور: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾ "بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے، پوری قدرت والا ہے"(۴) اور: ﴿وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ "اللہ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"(۵) اور: ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ(١٤)ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ "وہ بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، بزرگ وبرتر ہے"(۶) قرآن کریم میں اللہ کی حمد وثنا اور اس کے مجد وشرف پر دلالت کرنے والی اس طرح کی آیات بہت ہیں. صحیح حدیث میں مصیبت کے وقت کہنے کے لئے دعائیہ کلمات یہ ہیں (لا إله إلا الله العظيم الحليم ، لا إله إلا الله ربُّ العرش العظيم ، لا إله إلا الله ربُّ السموات و ربُّ الأرض و ربُّ العرش الكريم)"(۷).

چنانچہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی آل پر درود بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ان دونوں اسمائے حسنیٰ "حمید ومجید" کا اضافہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾(۸) کی متابعت میں ہے. یہاں ابراہیم علیہ السلام کے گھرانہ پر اللہ نے نزول برکت کی خبر دینے کے بعد اپنے ان دو اسمائے حسنیٰ کا ذکر کیا ہے.

---

(۱) سورۃ الرحمان: ۲۷.

(۲) یہ حدیث ان شواہد کی بنیاد پر جنہیں سنن ترمذی: (۳۵۲۳) انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور مسند احمد: (۴/۱۷۷)، مستدرک حاکم: (۱/۴۹۹) میں ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے. حاکم نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مستدرک (۱/۴۹۹) میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے، امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے.

(۳) سورۃ النمل: ۴۰.

(۴) سورۃ النساء: ۱۴۹.

(۵) سورۃ الممتحنۃ: ۷.

(۶) سورۃ البروج: ۱۴-۱۵.

(۷) صحیح بخاری بحوالہ فتح الباری: (۱۱/۶۳۴۵)، صحیح مسلم: (۲۷۳۰).

(۸) سورۃ ہود: ۷۳.

چونکہ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی تعریف و توصیف، بارگاہِ رب العزت میں ان کی تعظیم وتکریم اوران کاذکرجمیل، نیزان کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت و قربت میں زیادتی کامطالبہ ہے توگویادرود کے یہ الفاظ نبی اکرم ﷺ کی "حمد و مجد" کو بتاتے ہیں. اور درود بھیجنے والا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خواستگار ہوتا ہے کہ وہ ان کی "حمد و مجد" میں اضافہ کردے، یعنی درود ایک طرح سے اللہ کے رسول ﷺ کی "حمد و مجد" ہی ہے. درود کی حقیقت یہی ہے. یہاں مقصود کے بیان کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے اس موقع کے لئے دو مناسب ترین ناموں "حمید و مجید" کو ذکر کیا گیا ہے اوراس کی تین ممکنہ حکمتیں یہ ہیں:

یہاں پرچونکہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جارہی ہے کہ وہ اپنے بندہ محمد ﷺ پر اپنی "صلاۃ" کے نزول کے ذریعہ ان کی "حمد و مجد" میں اضافہ کردے، لہذااس درخواست کو اللہ تعالیٰ ہی کے دواچھے ناموں "حمید و مجید" پرختم کیاگیا.

دوسری حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ درود کے ذریعہ جب رسول اکرم ﷺ کے لئے "حمد و مجد" کا حصول مقصود ہےاور یہ نعمت اللہ کے رسول ﷺ کو پہلے ہی سے حاصل ہے تو پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے حسنیٰ "حمید و مجید" کوذکر کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات میں "حمد و مجد" کے یہ اوصاف بدرجۂ اولیٰ پائے جاتے ہیں. اس لئے کہ جب اس نے اپنے بندہ محمد ﷺ کے اوصاف کمال کو ہرقسم کے نقص سے پاک کردیاہے توپھراس کی اپنی یکتائے روزگارذات اس بات کی بدرجۂ اولیٰ مستحق ہے کہ اس کی صفات کمال کے اندر نقص کاشائبہ بھی محال ہو، اوروہ "حمد و مجد" کے بلند ترین مقام پر فائز ہو.

تیسری حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ جب "صلاۃ" کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کے لئے "حمد و مجد" کاحصول مطلوب ہے اور اس میں ان کی تعریف و توصیف بھی لازمی طور پر شامل ہے تو پھر اس مطالبہ کواسمائے حسنیٰ "حمید و مجید" کے ذریعہ ختم کرنے سے اُس ذات کی حمد و ثناء مقصود ہے جس نے اپنے نبی کو "حمد و مجد" کے اعزاز کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ اس دعا میں جہاں نبی اکرم کے لئے "حمد و مجد" کاسوال کیاجائے وہیں یہ وضاحت بھی ہو جائے کہ رب ذوالجلال کی پاک وبے عیب ذات "حمد و مجد" کے بلند ترین مقام پر فائز ہے.

نبی (ﷺ) کے علاوہ دوسروں پر صلاۃ وسلام کا حکم

نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے ساتھ دیگر تمام انبیاء ورسل پر صلاۃ وسلام بھیجا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں نوح علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (٧٨) سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ (٧٩) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ''اور بعد کی نسلوں میں ان کی تعریف وتوصیف چھوڑ دی، سلام ہے نوح پر تمام دنیا والوں میں، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزاء دیا کرتے ہیں''[1] اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (١٠٨) سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ ''اور ان کی تعریف وتوصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی، سلام ہے ابراہیم پر''[2] موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بارے میں ارشاد ہوا: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ (١١٩) سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾ ''اور بعد کی نسلوں میں ان دونوں کا ذکر خیر باقی رکھا سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر''[3]، اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (١٢٩) سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ﴾ ''اور الیاس کا ذکر خیر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا، سلام ہے الیاس پر''[4].

مذکورہ تمام آیات قرآنی کا مفہوم یہی بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں میں اپنے انبیاء ورسل کے ذکر خیر اور ان سب پر سلامتی کے نزول کی دعا کو باقی رکھا ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے، جن میں مجاہد اور قتادہ وغیرہ بھی شامل ہیں، ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَ فِي الْآخِرِينَ﴾ ''کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد ان تمام انبیائے کرام کی بہترین تعریف اور ان کا ذکر جمیل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بعد والوں کے لئے چھوڑا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء ورسل کے لئے باقی رکھی جانے والی چیز یعنی سلامتی کی دعا اور ان کا ذکر جمیل دونوں کو الگ الگ چیز نہ سمجھا جائے اور اسے مفسرین کے دو اقوال پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ ''سلامتی کی دعا'' اور

(۱) سورۃ الصافات: ۷۸-۸۰۔
(۲) سورۃ الصافات: ۱۰۸-۱۰۹۔
(۳) سورۃ الصافات: ۱۱۹-۱۲۰۔
(۴) سورۃ الصافات: ۱۳۰۔

"ذکرِ جمیل" ان دونوں کا آپس میں لازم ملزوم کا رشتہ ہے. چنانچہ جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے باقی رکھی جانے والی چیز سلامتی کی دعا ہے ان کے نزدیک پورا جملہ "سلام علی نوح" "ترکنا" کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نوح اور ان کے بعد کے انبیائے کرام کے لئے سارے جہاں کے لوگ سلامتی کی دعا کرتے ہیں. اور جن لوگوں نے ان انبیائے کرام کی بہترین تعریف اور ان کا ذکر جمیل مراد لیا ہے تو یہ چیز دعائے سلامتی میں شامل اور اس کے لوازمات میں سے ہے کیونکہ جب بھی ان انبیائے کرام کا ذکر جمیل ہوگا اور ان کی تعریف کی جائے گی تو ان پر سلامتی کی دعا بھی کی جائے گی.

یہ تو "سلام" یعنی دعائے سلامتی کی بات ہوئی، جہاں تک ان انبیائے کرام پر "صلاۃ" یعنی درود بھیجنے کا سوال ہے تو تمام انبیائے کرام پر درود بھیجنے کی مشروعیت پر ایک سے زائد اہلِ علم نے اجماع نقل کیا ہے، ان میں امام نووی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں. امام مالک سے منقول ایک روایت یہ ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے علاوہ پر درود نہیں بھیجا جائے گا، لیکن اصحاب امام مالک کا کہنا ہے کہ ان کی اس روایت کی تاویل کی گئی ہے کہ جس طرح آخری نبی محمد ﷺ پر درود بھیجنے کا ہمیں حکم دیا گیا اور اسے ہمارے لئے مشروع کیا گیا ہے اس طرح کی مشروعیت دیگر انبیائے کرام پر درود بھیجنے کی نہیں ہے.

آل محمد (ﷺ) پر درود بھیجنے کی مشروعیت میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، ہاں! البتہ جن لوگوں نے نبی آخر الزمان پر درود بھیجنے کو واجب قرار دیا ہے، آپ کی آل پر درود بھیجنے کو واجب قرار دینے کے سلسلہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور اس بارے میں ان کے دو اقوال مشہور ہیں.

مسئلہ

کیا نبی اکرم ﷺ کے بغیر انفرادی طور پر صرف آپ کی آل پر درود بھیجا جاسکتا ہے؟ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مثلاً یہ کہا جائے: ''اللهم صلّ على آل محمد'' یہ صورت جائز ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کی ذات ''آل محمد'' میں داخل ہے۔ اگرچہ اس جملہ کے الفاظ میں آپ کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے آپ کی ذات اس میں شامل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے: ''آل محمد'' میں سے کسی کا نام لے کر اس پر درود بھیجا جائے، مثلاً یہ کہا جائے: ''اللهم صل على علي'' یا ''على حسين'' یا ''على حسن'' ''یا على فاطمہ'' وغیرہ یا آل محمد کے علاوہ صحابہ کرام یا ان کے بعد کے لوگوں میں سے کسی کا نام لے کر ''اللهم صل على فلاں'' کہا جائے، تو اس سلسلہ میں محدثین وفقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک درود بھیجنے کی یہ نوعیت مکروہ ہے، اس لئے کہ اسلاف کرام میں سے کسی سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ امام ابو حنیفہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور طاؤس وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور پر درود بھیجنا مناسب نہیں ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے اپنی سند کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: ''نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور پر درود بھیجنا درست نہیں ہے، البتہ عام مسلمانوں (مرد وعورت) کے حق میں دعائے مغفرت کی جائے گی''[۱] عمر بن عبد العزیز کا بھی یہی مسلک ہے۔

جعفر بن برقان نے عمر بن عبد العزیز کے ایک مکتوب کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا: ''کچھ لوگ عملِ آخرت کے ذریعہ دنیا کے طالب ہوئے اور قصہ گو لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے مثل

---

(۱) فضل الصلاۃ علی النبی لاسماعیل بن اسحاق القاضی، محقق علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح اور اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔

خلفاء اور امراء پر درود بھیجنے کی بدعت ایجاد کر لی. اگر تمہیں میرا یہ مکتوب ملے تو تم لوگوں کو حکم دو کہ وہ صرف اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجیں اور عامۃ المسلمین کے لئے دعا کریں"(۱).

اصحاب امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور ان سے غیر نبی اور غیر رسول پر درود بھیجنے کی ممانعت کی تین نوعتیں منقول ہیں:

ایک تو یہ کہ غیر انبیاء ورسل پر درود بھیجنا حرام ہے.

دوسرے یہ کہ یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجہ کی ہے. امام شافعی کے اصحاب میں سے اکثریت کی یہی رائے ہے.

تیسرے یہ کہ یہ ممانعت ترکِ اولیٰ کی قبیل کی ہے، مکروہ نہیں ہے. امام نووی نے "الاذکار" میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ " صحیح بات یہ ہے کہ یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجہ کی ہے، اکثریت کی یہی رائے ہے".

پھر اس بارے میں بھی اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا "سلام" "صلاۃ" ہی کے معنی میں ہے، اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لئے فرداً فرداً "السلام علی فلان" یا "فلان علیہ السلام" کہنا مکروہ ہے یا نہیں؟

بشمول ابو محمد جوینی ایک جماعت نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور "علیؓ علیہ السلام" کہنے کی ممانعت کی ہے، لیکن چند دوسرے حضرات نے "صلاۃ" اور "سلام" کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے کہ "سلام" ہر مومن کے لئے چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ، حاضر ہو یا غائب مشروع ہے. اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "فلاں کو میرا اسلام پہنچا دینا" اور "سلام" سے مراد اہل اسلام کا وہ سلام ہے جسے آپس میں دعائیہ کلمات کے تبادلہ کے طور پر مشروع کیا گیا ہے. لیکن "صلاۃ" کا معاملہ ایسا نہیں ہے. "صلاۃ" صرف نبی آخر الزمان اور آپ کی آل کے ساتھ خاص ہے اور یہ آپ ہی کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ (ایک) نمازی اپنی نماز میں یہ نہیں کہتا:

---

(۱) فضل الصلاۃ علی النبی: ص (۶۹) کتاب کے محقق علامہ البانی نے اس کی سند کو مقطوع صحیح قرار دیا ہے اور جلاء الأفہام کے دونوں محقق شعیب اور عبدالقادر ارناؤوط نے اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے.

(الصلاة علینا عباداللہ الصالحین)بلکہ وہ اپنے لئے اور دوسرے نیکو کار لوگوں کے لئے اس طرح دعا کرتا ہے :(السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین)اس وضاحت سے دونوں کا فرق معلوم ہو جاتا ہے [۱]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول اس مسئلہ میں قول فیصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ پر ”صلاۃ“ (درود) کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں . یا تو وہ درود آپ کی آل، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی ذریت کے لئے ہو گا، یا ان کے علاوہ کے لئے .

اگر وہ درود آپ کی آل، آپ کی ازواج اور ذریت کے لئے ہو گا، تو وہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے ساتھ بھی مشروع ہے،اور فرداً فرداً بھی .

اور اگر وہ درود ملائکہ (فرشتوں)اور عمومی طور پر اہل طاعت کے لئے ہو گا جن میں انبیائے کرام اور دیگر صالحین و اہل طاعت شامل ہیں تو ایسا درود بھیجنا جائز ہے، چنانچہ اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں(اللهم صلّ علی ملائکتك المقربین وأهل طاعتك أجمعین)، لیکن کسی متعین شخص یا متعین گروہ پر درود بھیجنے کو شعار بنا لینا اور اسے لازم کر لینا مکروہ ہے اور بسا اوقات یہ کراہت کراہتِ تحریمی کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے، خاص طور سے اس وقت جب کسی متعین شخص پر درود بھیجنے کو شعار بنا لیا جائے، اور انہیں جیسے دوسرے لوگوں یا ان سے بہتر لوگوں کو درود کا مستحق نہ سمجھا جائے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں رافضیوں کا حال ہے کہ جب بھی ان کا ذکر آتا ہے تو وہ ”علیہ الصلاۃ والسلام“ ضرور کہتے ہیں، لیکن ان سے بہتر انسان کا ذکر آنے پر کچھ نہیں کہتے . یہ صورت بالکل ممنوع ہے اور ایسی صورت میں کسی متعین شخص کے لئے درود کے کلمات نہ کہنا ہی ضروری ہے .

البتہ اگر کبھی کبھار کسی شخص کے لئے درود کے کلمات کہے جائیں اور اسے شعار نہ بنایا جائے، جیسا کہ زکوۃ دینے والوں کے لئے درود کے کلمات کہے جاتے ہیں، اور ابن عمر نے ایک میت کے لئے ”صلی

(۱)اس کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے علاوہ پہ درود بھیجنے کے جواز کے قائلین اور مانعین کے ادلہ کو ذکر کیا ہے . حدیث شعیب اور عبد القادر ارناؤوط نے اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے .

اللہ علیہ" کہا تھا، اور جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک خاتون اور اس کے شوہر کے لئے درود کے کلمات کہے تھے، اور جیسا کہ علی نے عمر کے لئے درود کے کلمات کہے تھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس وضاحت سے تمام دلائل کے درمیان تطبیق بھی ہوتی ہے اور صحیح بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ واللہ الموفق وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

فہرست

سیرت نبی امی ﷺ کی ایک جھلک ۵
کمال شکل وصورت اور کمال جسمانی کے لئے چار اوصاف کا اعتبار ہوتا ہے ۷
کمال اخلاق کریمانہ کے لئے چھ چیزوں کا اعتبار ہوتا ہے ۸
بلند اقوال اور پاکیزہ گفتگو والا ہونے کے لئے آٹھ باتوں کا پایا جانا ضروری ۱۱
اچھے افعال اور عمدہ کردار کے لئے آٹھ صفات کا اعتبار ہوتا ہے ۱۴
مقدمہ ۱۹
مؤلف کتاب امام ابن قیم رحمہ اللہ کا مختصر تعارف ۲۳
امام موصوف کے بارے میں چند علماء کی آراء ۲۴
احادیث درود کے رواۃ ۲۵
کلمات درود کی تعیین زبان نبوت سے ۲۷
اوقات ومقاماتِ درود ۳۲
آخری تشہد میں ۳۲
نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد ۳۳
جمعہ اور عیدین وغیرہ کے خطبہ میں ۳۵
اذان کے بعد ۳۵
دعا کے وقت درود کی تین صورتیں ہیں ۳۶
اللہ کی حمد وثنا کے بعد اور دعا سے قبل ۳۶
دعا کی ابتدا، وسط اور اخیر میں ۳۶
دعا سے پہلے اور دعا کے بعد ۳۶
مذکورہ بالا مواقع کے متعلق امام ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ۳۷
مسجد کے اندر داخل ہوتے وقت اور اس سے باہر نکلتے وقت ۳۸

صفا اور مروہ پر ۳۹
مجلس میں اجتماع کے وقت اور اس کے اختتام سے قبل ۳۹
نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک آنے پر ۴۰
دن کے آغاز و اختتام پر ۴۲
قبر رسول اللہ ﷺ کے پاس ۴۲
نماز عید میں ۴۳
جمعہ کے دن اور اس کی رات میں ۴۳
ختم قرآن کے بعد ۴۴
قرآن و حدیث میں آپ کے تذکرہ کے وقت ۴۵
رنج و غم، مصیبت و پریشانی اور مغفرت طلب کرنے کے وقت ۴۶
شادی کا پیغام دیتے وقت ۴۷
بغیر کسی تخصیص کے ہر جگہ اور ہر موقع پر ۴۷
آخری قنوت میں ۴۷
فضائل درود احادیث نبوی کے آئینہ میں ۴۸
رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ۴۸
درجات کی بلندی اور برائیوں میں کمی کا سبب ۴۹
گناہوں کی مغفرت اور تفکرات سے نجات کا ذریعہ ۴۹
نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا حقدار بناتا ہے ۵۰
درود پڑھنے والے کا نام اللہ کے رسول ﷺ کو پیش کیا جاتا ہے ۵۱
مجالس کو لغویات سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے ۵۲
قبولیت دعا کا سبب ہے ۵۲
بخل و جفا جیسے ناپسندیدہ اوصاف سے بچانے کا سبب ہے ۵۲
جنت کے راستہ پر لگاتا ہے ۵۳

فوائد و برکات درود امام ابن قیم کی زبانی ۵۵
محبت رسول ﷺ ایمان کی تکمیل کے لئے لازمی ہے ۵۷
درود ہدایت کا سبب اور دلوں کو زندہ رکھنے کا سبب ہے ۵۸
درود پل صراط کو عبور کرتے وقت مومن کو ثابت قدم رکھنے کا ذریعہ ہے ۵۸
نبی اکرم ﷺ پر درود اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر کو بھی شامل ہے ۵۹
نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کی حیثیت دعا کی ہے ۶۰
لفظ "اللّٰھم" اور اس کا معنی ۶۱
اس کے متعلق نحویوں کے اقوال ۶۱
دعا کے لئے تین طریقے ہیں ۶۵
"صلاۃ" کے معنی و مفہوم کی وضاحت ۶۷
اللہ کی صلاۃ اس کے بندے پر ۶۹
اللہ کی صلاۃ کی دو قسمیں ہیں ۶۹
صلاۃ عام ۶۹
صلاۃ خاص ۷۰
اللہ تعالیٰ کی "صلاۃ" کے مفہوم کی تعیین ۷۰
اس بارے میں مبرد کا قول ۷۰
ایک دوسرا قول ۷۱
نبی کریم ﷺ کے نام محمد اور مادۂ اشتقاق کا معنی ۷۴
نبی کریم ﷺ کے متعلق علی رضی اللہ عنہ کا قول اور اس کی تشریح ۸۰
نبی کریم ﷺ کے متعلق عروہ بن مسعود کا قول ۸۶
لفظ محمد اور احمد کے درمیان فرق ۸۷
لفظ "آل" کا مفہوم اور مادۂ اشتقاق ۸۹
فصل ۹۳

نبی کریم ﷺ کے "آل" سے کون لوگ مراد ہیں ۹۳
پہلا قول ۹۳
دوسرا قول ۹۳
تیسرا قول ۹۴
چوتھا قول ۹۴
نبی کریم ﷺ کی بیویاں ۹۵
خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ۹۵
آپ کی چند اہم خوبیاں اور خصائص ۹۵
سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ۹۶
عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ۹۷
آپ کی چند نمایاں خصوصیات ۹۷
حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما ۹۹
ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۱۰۰
ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۱۰۰
زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۱۰۱
زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ۱۰۲
جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ۱۰۲
صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ۱۰۳
میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ۱۰۴
"ذریۃ" کی لفظی و معنوی تحقیق ۱۰۶
نسل انسانی کے اوپری سلسلہ یعنی آباء واجداد پر لفظ "ذریہ" کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں ۱۰۷
ابراہیم خلیل الرحمٰن کی اہمیت و خصوصیت ۱۰۸
ایک مشہور مسئلہ ۱۱۶

محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر نزول برکت کا مفہوم ۱۱۹
لفظ "برکۃ" کے معنی و مفہوم کی وضاحت ۱۱۹
ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کی چند خصوصیات ۱۲۴
درود کے آخر میں اسمائے حسنی "حمید و مجید" کو لانے کی حکمت ۱۳۲
نبی ﷺ کے علاوہ دوسروں پر صلاۃ و سلام کا حکم ۱۳۶
مسئلہ ۱۳۸
فہرست مضامین ۱۴۳

مطبوعاتنا الحديثة باللغة العربية

١- أركان الإسلام

لشيخ الإسلام عبد العزيز بن باز رحمه الله

٢- اهتمام المحدثين بنقد الحديث والرد على شبهات المستشرقين

للدكتور محمد لقمان السلفي

٣- مكانة السنة في التشريع الإسلامي

للدكتور محمد لقمان السلفي

٤- رحلة مريم جميلة الأمريكية من الكفر إلى الإسلام

ترجمة: الدكتور محمد لقمان السلفي

٥- بستان المحدثين

للإمام المحدث عبدالعزيز بن ولي الله الدهلوي

٦- فتح العلام لشرح بلوغ المرام

للإمام العلامة نواب صديق حسن خان

٧- كتاب الغنة ببشارة الجنة لأهل السنة

للإمام العلامة نواب صديق حسن خان

٨- فتاوى الإمام العلامة صديق حسن خان

٩- هدي الثقلين في أحاديث الصحيحين

وضعه: الدكتور محمد لقمان السلفي

١٠- فقه الأحكام

تأليف: د. محمد لقمان السلفي

مطبوعاتنا باللغة الأردية

(١) فتاوى — لشيخ الإسلام عبدالعزيز بن باز رحمه الله

(٢)عقيدة المسلم — لشيخ الإسلام عبدالعزيز بن باز رحمه الله

(٣) صلوة الرسول — لشيخ الإسلام عبدالعزيز بن باز رحمه الله

(٤) مسائل الزكاة والصوم — لشيخ الإسلام عبدالعزيز بن باز رحمه الله

(٥) مسائل الحج والعمرة — لشيخ الإسلام عبدالعزيز بن باز رحمه الله

(٦) كتاب التوحيد — لشيخ الإسلام محمد بن عبدالوهاب رحمه الله

(٧) صحيح اسلامي عقيده — للشيخ حافظ بن أحمد الحكمي رحمه الله

(٨) فضل الصلاة على النبي ﷺ — للإمام ابن القيم الجوزية رحمه الله

(٩) تقوية الإيمان

للعلامة المجاهد الشيخ إسماعيل بن عبدالغني رحمه الله

(١٠) تيسير الرحمن لبيان القرآن (تحت الطبع)

للشيخ الدكتور محمد لقمان السلفي حفظه الله

يطلب من:

دار الداعي للنشر والتوزيع

ص.ب ٣٤٢٤٨ الرياض ١١٤٦٨

فون ٤٥٧٦٠٨٧، ٤٣٩٦٩٥٥ فيكس ٤٥٩١٥٤٢

یہ کتاب

ا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی درود و سلام سے متعلق معروف و مشہور کتاب (جلاء الأفہام فی فضل الصلاۃ والسلام) کا بے حد مفید اختصار و ترجمہ ہے۔

۲۔ مؤلف اپنی اس کتاب کے بارے میں خود رقمطراز ہیں: یہ کتاب اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے منفرد ہے۔ اس موضوع پر اب تک ایسی کثیر الفوائد کتاب دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔

یہ وہ عظیم کتاب ہے جو قرآن کریم میں سالہا سال تک غور و فکر، اللہ کے کلام ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ میں طویل تدبر و تأمل، اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام سے متعلق وارد احادیث نبویہ کے بحر ذخار میں غوطہ زنی اور شناوری کا نتیجہ ہے۔

۳۔ مؤلف نے اس میں نبی کریم ﷺ سے متعلق احادیث نبویہ کا ذکر کر کے ان کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

۴۔ اس کتاب میں مؤلف نے نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کے اسرار و حکم، تاثیرات و فوائد، اور اس کی عظمت و اہمیت کو واضح کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے اندر جن فوائد اور حکمتوں کو سمیٹے ہوئی ہے انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ کی محبت میں ڈوبی ہوئی ڈاکٹر محمد لقمان سلفی کی تحریر (سیرت نبی امی ﷺ کی ایک جھلک) جو اس کتاب کا مقدمہ بنی ہے، اس کا مطالعہ مسلمان ذہنوں کو جلا اور روحوں کو بالیدگی بخشتا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی محبت کو قلب و جگر میں مستحکم اور آپ کی یاد کو نئی زندگی اور تابندگی عطا کرتا ہے۔

صلوات الله وسلامه عليه.

مطبعة دار طيبة - الرياض ، ت ٤٤٨٣٨١٠ ردمك ٩٩٦٠-٩٢٨٠-٠-٤